88/4

قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی القرآن الحکیم

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المُجاهِدُ مَنْ جاهَدَ نَفْسَهُ حدیث شریف

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ المرشد چکوال

بیادِ
شیخ العرب والعجم صدیقِ دوراں مجددِ طریقت مجتہد فی التصوف بحرِ علوم شریعت
امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام قلزم فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

المرشد

دارالعرفان - منارہ، ضلع چکوال

جلد ، | شعبان المعظم/رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ اپریل ۱۹۸۸ء | شمارہ ،

بیاد

حضرت العلام مولانا
اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرپرست

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ

مدیرِ مسئول

پروفیسر حافظ عبدالرزاق
(ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی)

مدیرانِ اعزازی

ابوطلحہ
ملک عبدالغفار

بدل اشتراک

چندہ سالانہ — ۷۵ روپے
ششماہی — ۴۰ روپے
فی پرچہ — ۷ روپے

سول ایجنٹ

اویسیہ کتب خانہ
الوہاب مارکیٹ - اردو بازار لاہور

خطاطی: سعید احمد، ٹاؤن شپ لاہور

اِس شمارہ میں

و اداریہ — ۲
و باتیں اُن کی خوشبو خوشبو — ۳
(حضرت مولانا اللہ یار خان رح)
و اسرار التنزیل — ۴
(حضرت مولانا محمد اکرم)
و عروسِ مطہرہ پر الزام تراشی — ۲۷
(محمد ولی رازی)
و محبتِ رسول ﷺ — ۲۰
(محترمہ عارفہ اعوان)
و اذان سے متعلق نبی اکرم ﷺ کے ارشادات — ۳۲
(ڈاکٹر محمد دین)
و موسمِ انتخاب (احمد نواز) — ۳۶
و ایثار (قاری محمد اشرف) — ۴۰
و صحبتِ اولیاء (ظفر قریشی) — ۴۶
و آپ نے پوچھا — ۴۹

طابع و ناشر: حافظ عبدالرزاق ● مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس لاہور ● مقام اشاعت: دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

اداریہ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ط

شعبان المعظم کے بارے میں نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی بہت ہی گرانمایہ ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم شعبان المبارک میں روزے رکھا کرتے تھے۔ روزہ اور اس کی فضیلت و خصوصیات پہ بات تو انشاء اللہ آئندہ شمارے میں ہو سکے گی۔

یہاں بات ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جس شے کی نسبت اپنی طرف فرمائی خواہ وہ کوئی مہینہ ہو۔ چیز ہو یا فرد اسے عند اللہ ایک بہت ہی اعلیٰ مرتبہ اور قبولیت کا ایک خاص درجہ نصیب ہو گیا تو حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمّت کی نسبت بھی تو بارہا ارشاد فرمایا ہے 'میری اُمّت'، آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اکثر دعائیں اپنی اُمّت کے حق میں ملتی ہیں۔ اور اُمّت ہم سب سے عبارت ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں ہم لوگ جن کو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا کہا ہے، اپنایا ہے اور اپنی نسبت سے مشرّف فرمایا ہے۔ مگر یاد رہے انسان اور اشیاء میں یا انسان اور ماہ و سال میں ایک بنیادی فرق ہے اور وہ فرق اختیار کا ہے۔ ماہ و سال کے پاس اختیار نہیں۔ شعبان کے پاس ارادہ و عمل کا کوئی موقع نہیں۔ بس آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرما دیا۔ وہ آپؐ کا ہو گیا مگر انسان ارادہ و توفیقِ عمل رکھتا ہے جب حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں اپنا کہا ہے تو ہمیں بھی جواباً نہ صرف کہنا ہو گا بلکہ اپنے عمل سے "ثابت کرنا ہو گا" ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم" اس کہنے اور کرنے کا سلیقہ یہ ہے کہ ہم زندگی کے انداز آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی سے حاصل کریں اور اپنی پوری کوشش ان پر عمل کرنے میں صرف کر دیں۔ یہاں تک کہ ہمارا جینا مرنا آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ہو جائے اور ہم واقعی حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہو جائیں۔ یہاں ایک بات کا خیال رکھنا اشد ضروری ہو گا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ والا صفات کے بعد کوئی ایسی ہستی نہ ہو گی کہ ہم آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بجائے اس کے ہو جائیں یعنی آپؐ کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے گی بلکہ ہر وہ شخص لائقِ احترام اور قابلِ عزّت ہو گا جو ہم تک خالص اور نتھری ہوئی بات، وہ بات جو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہو، پہنچا لے۔ وہ ہمارا استاد بھی ہو سکتا ہے، پیر اور شیخ بھی کہلا سکتا ہے۔ مولوی، عالم، مفسّر، محدّث اور فقیہہ بھی مگر

جہاں کسی نے اپنی پسند داخل کی وہاں سے راہیں جدا ہو جائیں گی اور ہم صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رہیں گے اور کسی کے نہیں۔ ہاں مختلف موضوعات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف ادائیں بھی موجود ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کو دو یا اس سے زائد طریقوں سے بھی انجام دیا ہے مثلاً آمین بلند آواز میں کہنا بھی سنت سے ثابت ہے اور خاموشی سے دھیمی آواز میں ادا کرنا بھی نماز میں رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے اور نہ کرنا بھی۔ تو ہمیں یہاں تھوڑا سا حوصلہ رکھنا ہوگا کہ اگر ہم نے ایک ادا اپنائی ہے اور دوسرا دوسری ادا اپنانا چاہتا ہے تو ہمیں ناراض ہونے کا حق نہیں پہنچتا بلکہ اس بات پہ خوش ہونا چاہیئے کہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اداؤں پہ نثار ہو رہا ہے۔ اگر ہم اس زاویۂ نگاہ سے دیکھیں تو یہ دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث کے ناموں سے جو تقسیم اور تفریق کا عمل ہے جو ہمیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کیے ہوئے ہے، اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی بلکہ یہ سب مسلمان اور ایک ہی منزل کے راہی ایک ہی آقاؐ کے غلام اور ایک ہی اللہ کو ماننے والے، اسی کی رضا کے طالب ہیں تو پھر جھگڑا کیسا ہے؟ یہ طعن و تشنیع کی بارش کیسی؟ یہ نفرتیں یہ کدورتیں کیوں؟ — یہ کفر و شرک اور ارتداد کے فتوے آخر کس لیے؟ — آؤ مل کر سوچیں ہم کون ہیں اور ہم کس کے ہیں۔ ہمیں کس ہستی سے نسبت حاصل ہے وہاں تو محبتیں تقسیم ہوتی ہیں شفقتیں بٹتی ہیں، احسان نچھاور کیے جاتے ہیں — کیا ہم ان کے ہیں جن کا دل کافر کے لیے بے چین ہو جاتا ہے جبکہ ہم مسلمان کو برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے؟ آؤ مل کر اس ماہِ مبارک ہی سے پوچھیں۔ شعبان المعظم ہی سے بات کریں جو ان کے ہوتے ہیں وہ کیسے ہوتے ہیں۔ دیکھو یہ رحمتیں لٹا رہا ہے گناہگاروں کے لیے بخشش کی نوید لایا ہے۔ توبہ کی دعوت دے رہا ہے — اللہ کی طرف بلا رہا ہے — کیوں؟ — یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مہینہ ہے — کیا ہم بھی یہ سب کر رہے ہیں —؟ اگر نہیں تو ہمیں فوراً اپنا رویہ درست کرنا ہوگا کہ آخر ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ آپؐ ہی کی محبتیں، شفقتیں اور رحمتیں بانٹنے والے —

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کو مزید استوار کر سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے غلام بن سکیں۔ (آمین)

فقیر محمد اکرم عفی عنہ

اِسرارالتنزیل

اِسلام

خلوصِ قلب کے ساتھ عمل کا نام ہے

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ
عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰی
بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝

(سورہ فتح : ۲۸)

ترجمہ" وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبرؐ کو ہدایت (کی کتاب) اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور حق ظاہر کرنے کے لیے خدا ہی کافی ہے۔"

عالمِ انسانیت میں نیکی اور بدی کی جنگ جب سے معمورِ عالم ظہور پذیر ہوا ہے تب سے شروع ہوئی اور جب تک قائم رہے گا تب تک جاری رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ربِّ جلیل نے انسان کو تھوڑا سا اختیار دے دیا ہے اپنی پسند کی راہ اپنانے کا۔ ایک طرف دنیا اور اس کی رنگینیاں اور اس کا حُسن، لذّتیں دامنِ دل کو کھینچتی ہیں۔ اس کے ساتھ انسان کا نفس اور شیطان اسے ترغیب دیتا ہے کہ یہاں جو ملے جس طرح سے

ملے لوٹ لو، چھین لو، حاصل کر لو۔ دوسری طرف وہی نعمتیں، وہی لذتیں چاہتیں کسی ضابطے، کسی اصول، کسی قاعدے کے تحت حاصل کرنے کی اجازت ملتی ہے۔

بس اتنا سا فرق ہے۔ اب جب یہ راستہ نسبتاً آسان اور آرام دہ نظر آتا ہے کہ وہی چیزیں ہم حاصل بھی کریں اور کسی قاعدے سے، آرام، عزت و آبرو سے کریں یا انہیں چیزوں کو ہم لوٹ کر لائیں، چھین کر لائیں یا چوری کر کے لائیں، کتنا بڑا فرق ہے اور کتنا مشکل کام ہے، چھین کر لانا، لوٹ کر لانا اور پھر جو نعمت چھین کر لائی جائے اس سے راحت نہیں کلفت ہوتی ہے۔ اور اس سے اثرات جو بطور نتیجہ برآمد ہوتے ہیں منطقی طور پر بھی تکلیف دہ ہوتے ہیں تو پھر ایسا کیوں ہوتا ہے۔ جانتے بوجھتے ہوئے انسانوں کی اکثریت جنہیں اللہ کریم نے نورِ اسلام سے نوازا ہے، کم از کم انہیں اس طرف نہیں جانا چاہیئے۔

بڑی عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ عباداتِ الٰہیہ میں سستی کرتے ہیں، کوتاہی کرتے ہیں، آپ ان کو رہنے دیجئے۔ مسلمانوں میں اس طبقے کو لیجئے جو پنجگانہ نماز ادا کرتا ہے۔ جو حج کے لئے جاتا ہے۔ جو زکوٰۃ دیتے ہیں۔ رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں، جب ہم ان نیک لوگوں اور شرفاء کو دیکھتے ہیں تو عملی زندگی میں بازار میں، دکان میں، میدان میں، بے نماز، نمازی کے کردار میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوتا۔ ایسا شخص جس نے کبھی حج نہیں کیا ہوتا اور ایسا شخص جو پانچ دس مرتبہ حج پہ جا چکا ہے، حج کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکا ہے، جب اُن کی عملی زندگی دیکھتے ہیں تو ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ اِلّا ماشاءاللہ۔ اللہ کے نیک بندے یقیناً ہیں لیکن عمومی طور پر اگر دیکھا جائے یا قاعدے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اکثر کا حال یہی ہے۔ تو آخر یہ کیوں ہے؟ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ آیئے پہلے ہم منفی پہلو کا جائزہ لیں۔ انسان برائی کیوں کرتا ہے؟ برائی اور گناہ کا ایک بڑا یقینی نتیجہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد گنہگار کو بھی تاسف ہوتا ہے۔ مگر انسانی مزاج ہے، انسانی فطرت ہے کہ گنہگار بھی اپنی گناہ آلود زندگی پر کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ گناہ میں زندگی بسر کرتا ہے لیکن کبھی آرام کی نیند نہیں سوتا اور کبھی اس پر خوش نہیں ہوتا۔ تو پھر گناہ کرتا کیوں ہے؟ اس لئے کہ کوئی ایسی طاقت ہے جو اس کے دل میں، اس جگہ جہاں خواہشیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں، اس مقام پر جہاں تمنائیں جنم لیتی ہیں وہاں کوئی ایسی طاقت قابض ہے جو برائی کی خواہش کو ابھارتی ہے اور نیکی کی تمنا کو دبا دیتی ہے۔ اب باری آتی ہے عقل کی تو وہ بھی سوچتا ہے کہ میں جو یہ برا کام کر رہا ہوں، نہیں کرنا چاہیئے لیکن چونکہ حاکم تو دل ہے لہٰذا بات

دل ہی کی مانتا ہے۔ اب بھلا ایک چھوٹی سی بات سوچئے ہم پچھلے دنوں جب لاہور تھے۔ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلے تو ایک اچھا بھلا آدمی سڑک پر کتے کو بھگا رہا تھا۔ یعنی آپ ایک انسان کا کردار دیکھیں کہ علی الصبح اٹھ کر کتے کو بھگا رہا ہے۔ نماز کے لئے فرصت نہیں ہے مگر کتے کو ورزش کروا رہا ہے۔ کیا کوئی انسان اتنا گیا گزرا بھی ہے کہ اسے سوچ بھی آتی ہے کہ میں انسان ہوں اور یہ کتا ہے، اس کی خدمت پر لگا ہوا ہوں۔ وہ اس سے بیزار کیوں نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کے دل پر جس طاقت کا قبضہ ہے۔ اس نے اس کے لئے کتے کو بہت اہم بنا دیا ہے اور وہ اس کی خدمت پر لگا ہوا ہے۔ عقل تو اس میں وہی ہے جس سے میں سوچ رہا ہوں، جس سے آپ سوچ رہے ہیں، عقل تو اسے بھی کبھی کہتی ہو گی کہ یار کیا فضول کام ہے کہ تم انسانیت سے اتنے گر گئے ہو کہ تم کتوں کی خدمت پر لگے ہوئے ہو کہ کتنی مشکل خدمت ہے، کتے کو دوڑا کر انسان ساتھ ساتھ دوڑ رہا ہے کہ انسان خود ورزش کرے۔ یہ ایک چھوٹی سی بات ہے۔ اس طرح کروڑوں مثالیں ہمارے اردگرد، ہمارے ماحول میں، ہماری زندگی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ لیکن ان سب کی وجہ ایک ہی ہے کہ ایک طاقت ہے جسے ہم ابلیس یا شیطان کے نام سے جانتے ہیں۔

یہ وہ طاقت ہے جو راندۂ درگاہ ہے جو اللہ کی بارگاہ سے رد کی جا چکی ہے اور انتقاماً نسلِ انسانی کو اللہ کے قرب سے محروم کرنے کے درپے ہے۔ یہ ایسی طاقت ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی، یہ ایسی طاقت ہے جو ہمارا ہاتھ پکڑ کر کہیں لے نہیں جاتی۔ ایسی طاقت ہے جو ہمارے روبرو بیٹھ کر ہم سے باتیں نہیں کرتی، یہ کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن انسان کے دل میں، انسان کے باطن میں، اس کے اندر اس کی رسائی ہے، انسان خود بھی نہیں سمجھتا۔ لیکن وہ اس کے اندر ایک بات پیدا کر دیتا ہے کہ دل میں ایک خواہش پیدا کر دیتا ہے، ایک آرزو پیدا کر دیتا ہے اور وہ آرزو انسان کے دست و پا کو، انسانی اجزاء جوارح کو مجبور کر دیتی ہے کہ اس طاقت کے حکم کو مانے اور اس پر عمل کرے لیکن اس کے مقابلے میں رب جلیل نے انسانیت کو بے آسرا نہیں چھوڑ دیا۔ ہمیشہ نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ اپنا کلامِ ذاتی نازل فرمایا حتیٰ کہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پوری قوت سے مبعوث ہوئے جو کوئی بھی مخلوق اللہ کریم سے حاصل کر سکتی ہے۔ وہ علوم، وہ طاقتیں، وہ برکتیں، جس کے متعلق رب جلیل نے خود گواہی دی ہے۔ اتمم نعمتی کہ تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی ہے کہ اس سے

بڑھ کر کسی نعمت کا تصوّر نہیں مل سکتا۔ بعثتِ نبوّت کا اصل مقصد کیا ہے، ممالک کو تسخیر کرنا، جغرافیائی سرحدیں تبدیل کرنا، کوئی معاشی منصوبہ رائج کرنا، سیاسی طرزِ حیات رائج کرنا، نہیں بلکہ نبی مبعوث ہوتا ہے دین لے کر ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ ..... یہاں ربِ جلیل نے ھُدٰی اور دِیْن دو لفظ بیان فرمائے ہیں۔

ھدیٰ کو انبیاء کرام کے ساتھ، نبی کی دعوت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے۔ اور مقابلے میں اکیلا دین، اِس طرف کیا ہے بِالْھُدٰی اور دینِ حق دو چیزیں۔ اُس طرف کیا ہے لِیُظْھِرَہٗ. اس دین کے ساتھ ھدیٰ نہیں ہے، یہ دین، اس کا معنی کیا ہوگا۔ جبکہ نبی کریمؐ جو کچھ لے کر مبعوث ہوئے وہ جو دین ہے اور جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ مٹانا چاہتے تھے وہ بھی دین ہے۔ جتنی قسم کے ادیان باطلہ رائج ہیں ان کو دین کہنے سے اللہ کریم نے منع نہیں فرمایا بلکہ انہیں دین فرمایا ہے۔ دین کا معنی کیا ہوتا ہے، ہم دین کا معنی اپنی آسانی کے لئے مذہب لکھ دیتے ہیں۔ مذہب عربی کا لفظ ہے، دین بھی عربی کا لفظ ہے۔ مذہب دین کا متبادل ہے۔ متبادل جو ہوتے ہیں معنی نہیں ہوتے۔ بلکہ معنی کرنے کے لئے تو جس زبان میں معنی کیا جاتا ہے، اس کا وہ لفظ چاہیے۔ دین کا معنی ہوتا ہے جسے ہم اردو میں تہذیب تمدّن کہتے ہیں، معاشرت کہتے ہیں، جسے ہم زندگی کا طریقہ کہتے ہیں، اسی لئے کافروں نے جو طرزِ حیات اپنایا اُسے بھی دین کہا گیا کیونکہ وہ بھی ان کے زندہ رہنے کا، گزر بسر کرنے کا، دنیا کی نعمتیں حاصل کرنے کے ذرائع اختیار کرنے کا اور کسی کے ساتھ اپنا دینی تعلق استوار کرنے کا قاعدہ ہے، ہاں اس کے ساتھ ھدیٰ نہیں ہے، وہ حق نہیں ہے، وہ باطل ہے۔ جو طریقہ نبی لے کر مبعوث ہوتے ہیں اس کے ساتھ سب سے پہلے لگا دیا گیا ھدیٰ۔ ھدیٰ کیا ہوتا ہے کسی بھی کام کرنے کا صحیح ترین طریقہ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ زندگی گزارنے کا ایسا طریقہ جو صحیح ترین ہے اور وہ معاشرت جو حق کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ اسلام کیا ہے، زندگی گزارنے کا وہ طریقہ، جو صحیح ترین ہے۔ وہ تہذیب و تمدّن، وہ طرزِ معاشرت جو حق کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ جو بالکل حق ہے۔ یہاں کھڑے ہو کر دیکھیں تو مذہب صرف نماز روزے کا نام نہیں رہتا بلکہ مذہب بن جاتا ہے صبح بیدار ہونے سے سونے تک کے تمام کردار، بلکہ سونے کے اوقات مقرر کر دیتا ہے اور بیدار ہونے کے لئے وقت پر خبردار کر دیتا ہے یعنی

مذہب صرف حج کرنے کا نام نہیں ہے۔ صرف نمازیں پڑھنے کا نام نہیں ہے۔ اسی لئے ہم سمجھتے ہیں کہ فلاں نماز تو پڑھتا ہے لیکن اس کا کردار درست نہیں۔ اس لئے ہم نے دو خانے بانٹ لئے ہیں۔ مذہب مسجد میں ہے اور بازار میں ہم آزاد ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اس پر مذہب ختم ہو گیا اس کے بعد سیاست میں یا اپنی عملی زندگی میں یا کمانے اور خرچ کرنے میں یا دوستی دشمنی میں اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، مگر ایسی بات نہیں ہے تو مذہب نام ہے۔ زندہ رہنے کے لئے جو طرز حیات اپنایا جائے اس کا نام مذہب ہے۔ اب ہم یہاں اگر کھڑے ہو کر دیکھیں تو ایک بڑی عجیب بات نظر آتی ہے کہ ابلیس جلسے نہیں کرتا، ابلیس لاؤڈ سپیکر پہ تقریر نہیں کرتا، ابلیس کا کوئی اخبار شائع نہیں ہوتا۔ ابلیس کے پاس کوئی ریڈیو، ٹیلی ویژن سیٹ نہیں ہوتا۔ اسے ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، کیوں؟ وہ ہر آدمی کے دل میں بولتا ہے، پھر اسے کانوں سے بات سنوانے کی کیا ضرورت ہے، جب وہ ہر آدمی کے دل میں بولتا ہے تو اسے کسی کو نظر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب وہ ہر انسان کے دل میں بات ڈال سکتا ہے تو اسے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ اب رب جلیل نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انسانوں کو ابلیس کے مقابلے میں ایک ایسی طاقت دینے کے لئے جو انہیں اللہ کی طرف لے آئے اور ابلیس کا جادو ان پر نہ چل سکے۔ جب اللہ کریم نے توڑ تو بھیجا ابلیس کا اور بات کی صرف زبانی زبانی تو اس سے ابلیس کا کیا بگڑے گا۔ اب اللہ کی بات تو رہ گئی لاؤڈ سپیکر پر، ریڈیو پر، ٹیلی ویژن پر، اخبار پر، مولانا کی زبان پر اور سامعین کے کانوں تک اور ابلیس بات ڈال رہا ہے اندر دل میں تو ابلیس کا کیا بگڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم تقریریں سن رہے ہوتے ہیں اور سوچ یہ رہے ہوتے ہیں کہ اس کی طرز کیسی ہے اس میں شعر کیسا ہے۔ وہ لذتیں جو ابلیس کو بھاتی ہیں۔ ہم قرآن پڑھنا شروع کرتے ہیں اس میں ایسی لے لگاتے ہیں۔ تو ہمیں جس کا قرآن ہے اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی، جو پیچھے کھڑے ہیں ان کے متعلق سوچ رہے ہوتے ہیں کہ یہ میرے متعلق کیا سوچ رہے ہیں تو کتنی عجیب بات ہے، اللہ کا کلام ہے اللہ کے حضور ہم محراب میں کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جو قرآن اللہ کے لئے پڑھتے ہیں۔ اکثریت پیچھے کھڑے ہونے والوں کے لئے پڑھتی ہے، سنوار سنوار کر۔ یعنی وہاں بھی ہم کام ابلیس کا کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم حج کے لئے جاتے ہیں۔ ہمیں یہ فکر نہیں ہوتی کہ ہم کہاں آتے ہیں اور ہم نے کیا کرنا ہے۔ ہمیں یہ فکر ہوتی ہے کہ میں واپس جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں نے پچاس آدمیوں

کو دھکا دے کر پیچھے پھینک دیا اور حجرِ اسود کو ۲۰ روپے دے دیئے یعنی وہاں ہمیں یہ نہیں سوجھا کہ کعبہ کیا ہے پتھروں کا ایک ڈھیر ہے۔ اس میں کیا رکھا ہے، وہ پتھر نشاندہی کرتے ہیں اس مقام کی جہاں ہمہ وقت تجلیات باری تعالیٰ منعکس ہوتی رہتی ہیں۔ وہ پتھر اس لئے قیمتی ہیں۔ ورنہ تو پھر اگر ان پتھروں کو پوجنے لگیں تو کافر نے تراش کر کوئی حلیہ بنا کر رکھ لیا اور ہم نے مستطیل یا چوکور پتھر لگا کر دیوار بنالی تو کفر اور اسلام میں کیا فاصلہ رہا۔ ہمیں پتھروں سے یہ دلچسپی نہیں کہ ہم ان کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ پتھر اس مقام کا نشان متعین کرتے ہیں جسے ربِ جلیل نے قبلہ قرار دیا۔ جہاں ہر آن اس کی ذاتِ تجلی متوجہ رہتی ہے تو مسجد بھی اللہ کی بارگاہ کا درجہ رکھتی ہے اور قانون یہ ہے وَمَا يَدْخُلُوهَا اِلَّا خَآئِفِينَ کسی مسجد میں بھی آدمی آئے تو اس پر ہیبتِ الٰہی طاری ہو جائے کہ میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں اور جب بیت اللہ میں پہنچے تو اسے زیب دیتا ہے کہ وہ دھکے دے کر بوسے دے، دوسروں کو دھکے دے، اسے چھوڑ دیں، آپ نے حج میں دیکھا ہو گا، بیت اللہ شریف کے پردے اونچے کر دیئے گئے ہیں، اس لئے کہ حاجی چاقو سے کاٹ کر لے جاتے ہیں۔ یعنی وہاں نہ بیت کا خیال ہے نہ صاحبِ بیت کا۔ وہ بات یاد ہے کہ میں واپس جاؤں تو پردے کا ٹکڑا کاٹ کر لے جاؤں اور لوگوں کو بتا سکوں کہ میں یہ لایا ہوں۔ یہ کیوں ہوتا ہے۔ روضۂ اطہر ؐ پر اگر سعودی سپاہی متعین نہ ہوں تو لوگ جالیاں اکھیڑ دیں یعنی باوجود ان کی پوری کوشش کے بدتمیزی کرتے ہیں ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہیں، شور کرتے ہیں اور وہ بھی نہ ہوں تو یہ روضۂ اطہر ؐ کی جالیاں اکھیڑ دیں، کیوں؟ اللہ کریم نے عجیب مہربانی فرمائی۔ شیطان کو تو طاقت دی، وہ دل میں داخل ہو کر بات کرتا ہے اور انبیاءؑ کرام بھیجے کہ وہ زبانی زبانی بات کریں اور سن لیں اور عقل اور دماغ یاد کر لیں تو اس سے کیا ملے گا شیطان کو، یہی وجہ ہے کہ ساری تبلیغ زبانی سننے کے بعد جب ہم میدانِ عمل میں اترتے ہیں تو شیطان کی بات مانتے ہیں، وہ اندر سے دل سے آ رہی ہوتی ہے۔ یہ کان سے پہنچتی ہے۔ ربِ جلیل نے ایسا نہیں کیا بلکہ ربِ جلیل نے انبیاء و رسل کو وہ قوت دی ہے کہ جو دل نبی ؐ کی صحبت میں روشن ہو جائے، ساری دنیا کے شیاطین مل کر بھی اس کے مقابلے میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔ جہاں سے شیطان حملہ کرتا ہے، وہیں ربِ جلیل نے اپنی تجلیات کو چوکیدار بنا دیا۔ پاسبان بنا دیا ہے، محافظ بنا دیا ہے

اور یہ کام کرتے ہیں انبیاؑ و رسل ۔ اور سب سے زیادہ قوت جو تمام نبیوں نے بھی حاصل کی ہے، آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، آپ دیکھتے ہیں کہ یہ نبی کا کمال ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ بعد میں فرض ہوئے۔ رمضان تو فرض ہی ہجرت کے بعد ہوا سن دو ہجری میں۔ جب صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یہ کلمہ ہی تسلیم کر لینا سارا اسلام تھا۔ تب بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ میں جو آیا کلمہ قبول کر کے بیک نگاہ صحابیؓ ہو گیا۔ صحابیؓ سے مراد ہے کہ اس کا دل اتنا روشن ہو گیا، اتنا منور ہو گیا کہ تمام اخلاق ذمیمہ سے فارغ ہو گیا اور تمام اخلاق حمیدہ اس درجے کے پا لئے اس نے کہ غیر صحابی وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

اعتقادات میں، امانت و دیانت میں، تقویٰ میں خشوع و خضوع میں، نیکی و پارسائی میں، حق و صداقت میں کسی بھی اعلیٰ وصف سے آئیں تو ساری دنیا کے ولی اللہ بھی جمع کر لیں تو ان کے دل کی کیفیت اس کیفیت کو نہیں پا سکتی جو ایک صحابیؓ کو نصیب ہوئی اور صحابیؓ، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہاں سے بنائے۔

معبد سے لے کر، مساجد سے لے کر، کلیساؤں سے لے کر، نہیں، صحراؤں سے، چوروں اور ڈاکوؤں سے، کافروں اور مشرکوں سے، بت پرستوں سے، شراب خوروں اور ظالموں اور بدکاروں سے یعنی انسانیت کے وہ اجزا جو اپنی بگاڑ کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ یہ نبیؐ کے قلب اطہر کی قوت ہے کہ جب اس کی زد پر آئے تو صحابیؓ ہو گئے اور ایسے ایسے اللہ کے شیر پیدا ہوئے کہ جنہیں دیکھ کر ابلیس راستے بدل لیتا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عمرؓ تجھے دیکھ کر شیطان راستہ بدل لیتا ہے، راستہ چھوڑ دیتا ہے یہ صرف بات زبان اور دماغ کی نہیں ہے۔ یہ بات ہی صرف دل کی ہے۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ اس دور میں آ کر علمائے کرام کی توجہ اس کی طرف کم ہو گئی ہے۔ عام آدمی ہمیشہ علماء کے پیچھے چلتے ہیں۔ آپ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے زیادہ نہیں، آپ تقسیم ملک تک علمائے متقدمین کی سوانح پڑھیں۔ وہ بزرگ جن کا وصال تقسیم ملک کے بعد ہوا، آپ ان کی سوانح پڑھیں تو آپ کو ایک بات نظر آئے گی کہ فلاں صاحب یا فلاں مدرسے سے علم کی تکمیل کے بعد بھی فلاں بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اکتساب فیض کیا کہ جب پڑھ چکے تھے۔

حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے۔ حضرت تھانویؒ متقدمین کی نظیر تھے، ایسا سمندر تھے علم کا جس کی نظیر اس دور میں بہت کم ملتی ہے جس طرح

متقدمین کو اللہ نے ایک شرف بخشا تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضرت اتنی فضیلت کے بعد آپ حاجی صاحبؒ کے پاس کیا لینے جاتے ہیں۔ یہ تو علم دماغ تک ہے اسے دل میں بسانے جاتے ہیں۔ ہمارے دور کی مصیبت یہ ہے کہ کم ہمتی کی وجہ سے ہمارے ساتھیوں نے اس چیز کو حاصل کرنے کی بجائے اس کا انکار شروع کر دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے، مولوی کے پاس کتاب ہے، رسالہ ہے اخبار ہے، ریڈیو ہے، ٹیلی ویژن ہے، جلسہ، تبلیغ ہے، واعظ ہے مگر وہ دلوں میں بیٹھا ہے کہ ہنستا ہے ہماری باتیں سن کر کہ تم انہیں کیا بتا رہے ہو، تم ان کے ذہن میں کیا ڈالنا چاہتے ہو، دل میں تو میں بیٹھا ہوں، میری باتیں مانیں گے یا تمہاری مانیں گے اور پھر وہ کہتا ہے، دل میں تیرے بھی میں ہوں، ایک دوسرے کو اللہ کے نام سے دھوکہ دیتے ہیں۔ سٹیج پر بیٹھا ہوا کہتا ہے اللہ کے لئے یہ کرو مگر اس میں خواہش اس کی اپنی ہوتی ہے۔ سننے والا کہتا ہے کہ ہم دین کے لئے یہ کر رہے ہیں لیکن آرزو اپنی ہوتی ہے۔ حصول اقتدار کے لئے دینی جماعتیں بنتی ہیں۔ دینی جلسے ہوتے ہیں، دینی جلوس نکلتے ہیں لیکن اندر ساری دنیا ہوتی ہے۔ آپ ایک بات کا تجزیہ کر لیں کہ دین کے نام پر ایک تحریک اٹھی ہمارے ملک میں، جس نے بھٹو جیسے مضبوط حکمران کو ہلا کر رکھ دیا، لوگ مرے، گولیاں چلیں، سڑکوں پر مرے، اس لئے کہ علماء نے کہا تھا کہ یہ آدمی دین دار نہیں ہے، یہ نیک نہیں ہے، یہ شریف نہیں ہے، ظالم ہے، یہ جابر ہے لیکن مولوی نہیں مرا، مرنے والے وہ غریب و بے کس لوگ تھے جو ان کی باتوں پر اعتبار کر گئے۔ بھٹو کی حکومت تو چلی گئی لیکن مولوی صاحب کو حکومت نہ ملی۔ اب مولوی اسی ۷۰، کلفٹن میں بیٹھے ناشتہ کر رہے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ضیا بڑا بُرا آدمی ہے۔ اب کیا بھٹو فیملی نے اپنا طرزِ حیات بدل لیا ہے یا اپنا عقیدہ بدل لیا ہے یا کیا فرق پڑ گیا ہے، اس لئے کہ مولوی کا وہ نعرہ بھی دین کے لئے نہیں تھا، دین کے لئے کچھ نہیں سب دنیا ہے، دین کے نام پر ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور یہ مصیبت اس لئے ہے کہ ہمارے دل ان کیفیات، ان انوارات سے خالی ہیں جو نبیِّ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بانٹے ہیں اور جب وہ دل میں بس جاتے ہیں تو احکام کی بھوک لگتی ہے، آدمی تلاش کرتا ہے کہ اس معاملے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے اور اگر دل ساتھ نہ ہو، بڑے سے بڑا عالم بھی excuse تلاش کرتا ہے کہ اس حکم سے بچنے کا کونسا بہانہ ہے۔ یعنی یہ بڑا فرق ہے کہ اگر دل روشن نہ ہو تو پھر ہم راستہ تلاش کرتے ہیں جس کے ذریعے شریعت کے احکام سے جان بچائیں۔ اس لئے کہ دل میں خلا نہیں رہتا۔ آپ نے فضا کو کبھی

خالی پایا۔ ایک چیز کو فضا سے لے لیں تو دوسری وہاں موجود ہوگی۔ خلا کبھی بھی نہیں رہتا، اسی طرح دل خالی نہیں رہتا۔ آپ تجلیات و برکات نکال دیں تو وہاں شیطان براجمان ہو جائے گا۔ شیطان تب نکلے گا جب وہاں نور آجائے گا یا نور یا ظلمت، اللہ کا نام یا ابلیس کی طاقت دو میں سے ایک دل میں مکین رہے گی۔ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے دل منور کرنے کے لئے محنت کی ہے۔ ارے محنت کرنے کو چھوڑ دیا؟ یہ تو فتویٰ دے دیتے ہیں کہ سارا اسلام ہے ہی نہیں یہ ہے ہی زبانی زبانی۔ شیطان کو تو اللہ تعالیٰ نے دل میں جذب ہونے اور دل سے بات کرنے کی قوت دی ہے اور انبیاء کو صرف اخبار دیئے ہیں کہ اخبار نشر کرتے رہیں۔ کتنی عجیب بات ہے، کتنی جاہلانہ بات ہے کہ دلی کیفیات کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ قوت عطا فرمائی جائے گی جو دلوں کو انقلاب آشنا کر دے اور یہی ہماری آنکھ دیکھتی ہے، مشاہدہ دیکھتا ہے کہ نبیؐ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے بگڑے سے بگڑا ہوا انسان جب وابستہ ہوا ایک نگاہ شرف صحابیت سے سرفراز ہو گیا۔

یعنی کہاں سے پکڑا ۔ کہ صدیوں کی محنت شیطان کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک نگاہ سے خارج ہو گئی۔ تو پھر کیا نبیؐ کی تعلیمات چھوڑ کر جاتے ہیں کیفیات ساتھ لے جاتے ہیں۔ یہ وہی ہوا کہ کسی آدمی کو راستہ بتا دیا جائے۔ اب یہاں بیٹھ کر ایک آدمی کو نیویارک تک کا روٹ سمجھا دیں کہ یہاں سے آپ کو بس اسلام آباد لے جائے گی۔ اسلام آباد سے آپ کو جہاز لندن لے جائے گا یا وہاں سے فرینکفرٹ لے جائے گا وہاں سے نیویارک لے جائے گا، لکھ کر دے دیں اسے اسے سرمایہ نہ دیں، وہ نیویارک پہنچ جائے گا؟ یہ جتنی زبانی تبلیغ ہے یہ صرف روٹ سمجھانے والی بات ہے سرمایہ تو دل میں دیا جاتا ہے، ایک نور، ایک روشنی، ایک جذبہ، جو اس راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ زبانی جتنی ہم تبلیغ کرتے ہیں روٹ سمجھانے والی بات ہے۔ یہ راستہ ہے، فلاں جگہ پر موڑ ہے، فلاں طریقے سے جانا ہے جب ہم اسے ایک پائی سرمایہ نہیں دیتے تو وہ مسافر کیا اس راستے پر جائے گا؟ اسی لئے ہماری تبلیغ کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں۔ یار کبھی آپ نے سوچا کتنے ہمارے دینی مدارس ہیں، ہر گاؤں، ہر قریے میں موجود ہیں، شہروں میں موجود ہیں۔ مگر معاشرے میں کوئی مؤثر کردار کبھی آج تک میں نے نہیں دیکھا کہ فلاں مدرسہ کے پڑھے ہوئے لوگ ہیں، انہوں نے یہ انقلاب پیدا کر دیا، آپ نے دیکھا ہے تو بتائیں، کے جی آر سے نکلتے ہیں تو آفیسر بن جاتے ہیں، دوسرے کالجز اور

یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں تو آفیسر بن جاتے ہیں، ایچی سن سے نکلتے ہیں تو آفیسر بن جاتے ہیں، یہ بے شمار دارالعلوم جو ہیں ان کی محنت کہاں جاتی ہے، اس لیے کہ یہ صرف انہیں زبانی نقشے بنا کر بھیج دیتے ہیں، وہ نقشہ جیب میں رکھتے ہیں جدھر سے سرمایا ملتا ہے ادھر کھپ جاتے ہیں۔ باتیں ان کے دل میں ہوتی ہیں، دل میں نور نہیں ہوتا دل خالی ہوتا ہے، اُن باتوں پر عمل کرنے کا جنون نہیں ہوتا، جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غلاموں کو عطا فرمایا تھا، جس پر سارے شرک نے زور لگا دیا کہ زبانی کہہ دو ہم اسلام چھوڑتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم کہہ نہیں سکتے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے، مکہ کا سارا کفر ایک غلام پر، ایک غریب عورت پر، ایک بوڑھے اور ضعیف آدمی پر تشدد کی انتہا کر دیتا ہے اور کہتا ہے میں تیرے دل سے واقف نہیں ہوں، تو زبان سے کہہ دے کہ میں اللہ کا انکار کرتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوّت کا انکار کرتا ہوں، وہ کہتا ہے، زبان کاٹ دو کہہ نہیں سکتی کہ میرے بس میں ہو کہ میں کہہ دوں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ شہید ہو جاتے ہیں، جان دے دیتے ہیں، اللہ کریم اجازت دیتے ہیں کہ جس کو مجبور کیا جائے اور اُسے وہ زبان سے اسلام کا انکار کر دے وقلبہ مطمئنہ بالایمان دل اس کا ایمان پہ مطمئن ہو جان بچانے کے لئے، قتل ہونے سے بچنے کے لئے کہہ بھی دے . . . کہ میں انکار کرتا ہوں، وہ کہتا ہے کہ اللہ اجازت تو دیتا ہے مگر کہہ نہیں سکتے۔ اللہ کریم کی ناراضگی کا ڈر بھی نہیں ہے، وہ اتنا کریم ہے، وہ کہتا ہے تو میرا انکار کر دے، میں تجھے معاف کر دوں گا مگر اس کے اندر کوئی ایسا جنون بس گیا ہے کہ گردن پہ چھری رکھ کر کہتے ہیں انکار کر دو، وہ کہتے ہیں انکار نہیں کر سکتے، کاٹ دو، بس میں نہیں ہے کیا کریں۔ عقل تو وہاں بھی کہتی ہوگی، تیرے انکار کرنے سے اللہ کی عظمت میں فرق نہیں آئے گا۔ اللہ کریم خود اجازت دے رہے ہیں زبان سے انکار کر دے، زبانی کہنے سے کیا حرج ہے، مگر . . . دل جس بات پہ اڑ جائے وہ کہتا ہے کہ میں نہیں کہتا، کٹ جاؤ، مر جاؤ، شہید ہو جاؤ، جسم کے پرخچے اُڑ جائیں میں نہیں کہوں گا۔ حضرت سمیعہ رضی اللہ تعالیٰ جو پہلی شہید ہیں اسلام کی۔ اس بات پر ابوجہل نے اسے شہید کر دیا تھا اور دو اونٹوں کے ساتھ اس کے پاؤں باندھ کر انہیں مخالف سمت دوڑا دیا تھا۔ آپ نے کبھی کسی کو اس طرح قتل ہوتے دیکھا، مطالبہ صرف یہ تھا کہ زبان سے کہہ دو میں اللہ کا انکار کرتی ہوں، جسم ٹوٹ کر بکھر گیا مگر زبان نے یہ تک نہیں کہا، اس لئے نہیں کہ انہوں نے حضورؐ کی زبانی باتیں سنی تھیں،

بلکہ اس لئے کہ وہ شرفِ صحابیت سے مشرف ہو چکی تھیں ان کے دلوں میں وہ نور، وہ سرور، وہ جذب، وہ کیفیت آگئی تھی اور ہم باوجود نمازیں پڑھنے کے عملی زندگی میں صرف شیطان کے مشورے سے اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں، اس لئے کہ ہم دل کی طرف شاید توجہ نہیں دیتے اور میرے دوستو! بزرگو! عزیزو! یاد رکھو، جب تک دل روشن نہیں ہوگا زبانی باتوں سے کچھ نہیں بنے گا، توفیق عمل نصیب نہیں ہوگی۔ آپ نے چند روز اللہ اللہ کرنے کے بعد محسوس کیا ہوگا کہ جب دل میں انوارات آجاتے ہیں تو زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ انسان کے اندر ایک بات پیدا ہوتی ہے کہ میں اسوۂ حسنہ کو تلاش کروں، میں سنت حبیب ﷺ کو تلاش کروں، میں اس طرف بڑھوں، لغزشیں ہوتی ہیں مگر گناہ میٹھے نہیں لگتے۔ ان میں تلخی آجاتی ہے۔ گناہ سے مسرت نہیں ہوتی، کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

اسی کا نام اسلام ہے اور اگر دل روشن نہ ہو تو آدمی یہ محض اتمامِ حجت ہو جاتی ہے۔ اس کے پاس روزِ محشر کوئی دلیل نہیں ہوگی اللہ کے عذاب سے بچنے کی۔ بات سن لی مگر اس پہ عمل نہیں کیا۔

آج کل تو دین میں بھی دنیاداری آگئی ہے لوگ ایک دوسرے سے بڑا بننا چاہتے ہیں، ایک دوسرے پر تسلط جمانا چاہتے ہیں ایک دوسرے سے چھین کر کھانا چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ دین نہیں ہے، دین صرف ایک بات کا نام ہے کہ کوئی ایسی چیز اندر فٹ کر دی جائے، سینے کے اندر جو مرنے جینے کے ڈھنگ اسی طرح سکھا دے جس طرح کی تعلیم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دی ہے، صرف نماز میں قبلہ رخ نہ ہو بلکہ بازار میں بیٹھا ہوا بھی قبلہ رُخ ہو، مزدوری کرتا ہوا بھی اس کا رُخ قبلہ کی طرف ہو، سوتے جاگتے کوئی کام کرتے ہوئے اس خلوص سے کر رہا ہو جس خلوص سے نماز ادا کی جاتی ہے۔ دین اس کا نام ہے، تقدیٰ اسی کو کہتے ہیں کہ پوری زندگی حرکات و سکنات کو اس طریقے پر کرنے کی توفیق مل جائے جو اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طفیل ہمیں عطا فرمائی۔

یہ تب تک ممکن نہیں جب تک دل میں شیطان کو القاء کرنے کی قوت ہے۔ رحمان کی بات بھی مقابلے میں نہیں آئے گی تو بات نہیں بنے گی تو تبلیغ اور سارے جلسے اور ساری تحریر محض رسم ہوگی اس پر عمل نہیں ہوگا اور یہی ہماری آج کی مصیبت ہے کہ یہ مل بیٹھنا یہ آنا جانا صرف اسی لئے ہے کہ یہ میرے ربّ کی تقسیم ہوتی ہے۔ اس نے ویرانے میں اپنا ایک ایسا بندہ پیدا کر دیا جسے ایسی نعمت، اتنی قوّت عطا کر دی جس نے

چودہ صدیوں کو سمیٹ کر لوگوں کے دلوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر کے روبرو کر دیا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے، کتنی حیران کر دینے والی ہے

... یہاں کوئی ذرائع آمد و رفت نہیں، یہاں کوئی اخبار نہیں تھا۔ یہاں سے کوئی ریڈیو ٹیلی ویژن نہیں تھا، ایک جذبہ تھا جو جس دل میں پہنچا اسے شاداب کرتا گیا۔ کاشغر سے لے کر سان فرانسسکو تک اللہ کے نام سے دل دھڑکتے ہیں۔

اور تاریخ تصوف میں یہ پہلی دفعہ ہوا ہے کہ آنے والا قلب روشن لے کر جائے۔ یہ ہم نے پڑھا اور دیکھا بھی کہ بزرگانِ دین کی محفل میں لوگ گئے، لاکھوں میں چند افراد کے دل روشن کر دیئے باقیوں کو کہا، ان کے ساتھ سمٹے رہو ان کے پیچھے چلتے رہو، ہر آنے والے کے ہاتھ میں شمع پکڑوا دینا یہ بڑی عجیب بات ہے اور صحیح قاعدہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے یہی کہ آپؐ نے ہر آنے والے کو صحابی بنا دیا، ایسا نہیں کیا کہ ایک صحابی بنا دیا اور باقیوں کو کہا کہ اس کے پیچھے چلتے رہیں۔ نہیں بلکہ بچہ، بوڑھا عورت، مرد، جاہل، امیر، غریب جو آیا نگاہِ اطہر میں صحابیؓ بن گیا۔ اب اگر تفاوت مدارج میں ہے تو صحابیت کے اندر ہے مگر صحابی ہر ایک کو بنا دیا اور پوری تاریخ تصوف میں جہاں تک میری نگاہ پہنچتی ہے یہ پہلی ہستی ہے جس نے ہر آنے والے کا دل روشن کر دیا لیکن جب تک میرے بھائی! دل قدموں میں نہ ڈالا جائے بات نہیں بنتی۔

جنت کیا ہے، جنت سند ہے اللہ کی رضا کی۔ جنت فی نفسہٖ کوئی بڑی چیز نہیں، یہ بھی مخلوق ہے یہ نعمت ہے، جنت کا کمال یہ ہے کہ یہ سرٹیفکیٹ ہے اللہ کی خوشنودی کا، یہ ہیرا پھیری سے کب ملے گا، یہ جب ملے گی جب آپ دل ہار جائیں گے، اس کی قیمت دل ہے، کوئی دل ٹوٹا ہوا ہو، کوئی دل پراگندہ ہو، کوئی غریب کا دل ہو، نسلِ انسانی کے کسی شخص میں بھی دھڑکتا ہو، اس دل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈال دو تو اس پہ جنت نچھاور ہو جائے گی۔

دل نہیں بیچو گے تو پاؤ گے بھی کچھ نہیں۔ پھر یہ ملنا جلنا، بیٹھنا، آنا جانا اس کی کوئی اہمیت نہیں، یہ سیاسی جلسہ ہے، سیاسی جلسہ کیا ہے، مقرر سامعین کو دھوکہ دیتا ہے اور سامعین اس کو بیوقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرے بھائی! بڑی سادہ سی بات ہے اس پر کوئی لمبی جرح کرنے کی ضرورت نہیں کہ جب شیطان دل میں کوئی بات ڈال سکتا ہے تو دل ہی کو وہ قوت چاہیے کہ شیطان کی بات کو رد کر سکے۔ یہی نعمت نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بدرجہ اتم تقسیم فرمائی ہے۔ یہی نعمت صحابہؓ نے تابعین کو، تابعین نے تبع تابعین کو اور اولیاء امت نے عمریں صرف کر کے حاصل کی یار کمال ہے کہ معترض کو شرم نہیں آتی، پوری امت میں جو اولی العزم انسان ہوئے ہیں، ائمہ حدیث

ہوں یا جتنے جلیل القدر نامور لوگ جنہوں۔ نے مثبت انقلاب پیدا کئے مسلمانوں میں وہ سارے اسی راستے کے مسافر ہیں اور جن کی اپنی ۔ ۔ ۔ عملی زندگی دین سے آشنا نہیں ہوتی ان کے مقابلے میں فتویٰ دے تو اس کی کیا حیثیت ہے۔ اتنی بڑی جماعت اہل اللہ کی ہے، اسے چھوڑنے سے یہ زیادہ بہتر نہیں کہ آج کے مفتی کو چھوڑ کر آدمی ان میں شامل ہو جائے۔ اتنی سیدھی سی بات ہے، سادہ سی بات ہے تو آپ حضرات کا یہ سفر اللہ قبول فرمائے، آپ کا یہاں تشریف لانا، مل بیٹھنا، نہ میری بڑائی کے لئے ہے نہ آپ حضرات کی، میں خود سوچتا ہوں، یار یہ عجیب بات ہے خدا نے مجھے کہاں پھنسا دیا۔ یہاں ہم تو آئے تھے اپنے گناہ بخشوانے، روزے گلے پڑ گئے، پیر صاحب بننا پڑ گیا۔ خدا گواہ ہے کہ جس زندگی کو چھوڑ کر میں آیا تھا آپ اس کا تصور نہیں کر سکتے، آسان نہیں ہے، ہر آدمی اس طرح زندہ نہیں رہ سکتا، غرض یہ تھی کہ خدایا تیری امان مل جائے۔ کوئی پیری، کوئی فقیری، کوئی خلافت، کوئی درجہ رتبہ کسی چیز کی کوئی اہلیت تھی، نہ استعداد، ایک آدمی جو گناہوں میں غرق ہو، بھلا وہ یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ فقیر بن جائے، وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ پیری فقیری غرض نہیں ہے، یہ میرے رب کی مرضی ہے کہ اس نے اس چوکیداری پہ کھڑا کر دیا ہے کہ اگر تمہیں کوئی ذرہ نصیب ہوا ہے تو ہر آنے والے کو بھی پتہ دیتے جاؤ۔ اتنی سادہ سی بات ہے ۔ ۔ ۔ بلکہ خدا گواہ ہے مجلس میں بیٹھا ہوا میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آج بھی کوئی ساتھی یہ جگہ لے تو میں اس کا بڑا شکریہ ادا کروں گا، کیونکہ یہ آسان زندگی ہے کہ آپ گوشے میں بیٹھ کر یاد محبوب میں بسر کریں۔ گلیوں میں پتھر کھانا آسان نہیں ہے۔ بات بات پر اعتراض سننا، ہر آدمی کے ساتھ تلخ کلامی اور ترش روئی کا سننا، عجیب و غریب طعنے سننا، اس سے زیادہ احساس یہ ہے کہ چند آدمیوں کو اپنے سامنے مؤدب بٹھا کر یہ تھوڑا ہے وہ جو اندا آتی ہے اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ہم پہلے ہی بلیک لسٹ تھے، مجبوری یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے برداشت کرنا پڑتا ہے کہ اگر یہاں سے ہٹ جائیں تو کوئی جائے پناہ نہیں ہے، کسی پر احسان نہیں ہے، نہ آپ پر نہ دوسرے لوگوں پر بلکہ ایک فریضہ ہے، ایک خدمت سپرد ہوئی ہے، یہ بھی۔ اسی سے دعا ہے کہ اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

ورنہ کاشغر سے سان فرانسکو تک ایک ایک جماعت کے ساتھی کے ساتھ جتنی کوشش کرتا ہے ایذا دینے کی جمع کریں تو وہ مجھ اکیلے کے ساتھ کرتا ہے۔ اتنی پریشانیاں کھڑی کرتا ہے، اتنے شور و شر پیدا کرتا ہے کہ انجن کو گرا دیا جائے تو ریل کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

نادان نہیں ہے۔ جتنا زور ڈبوں میں واٹرنگ کرنے پر لگتا ہے اس سے کہیں زیادہ انجن پر لگتا ہے۔ یہ تو اللہ کی حفاظت ہے، اس کی عطا ہے، باوجود اس کے اس کی ساری محنت کے دن بدن اس میں ترقی دے یہ اللہ کی نعمت ہے۔ لیکن یہ اتنا آسان کام بھی نہیں ہے تو پھر اگر اس ساری محنت پہ ہم اس مل بیٹھنے کو صرف اس بات پہ محدود رکھیں کہ، آپ نے میری زیارت کر لی میں نے آپ کی زیارت کر لی، کچھ نہیں ہو گا۔ اصل بات یہ قلبی قوت ہے، حال قلبی ہے، اجمال قلبی، یہ کم ہے جسے ہم اپنے دلوں میں سمو لیں، مہلت تھوڑی دیر کی ہے، موت فارغ کر دے گی سارے کاموں سے اور دوبارہ زندگی نہیں دی جائے گی تو یہ حضوری، یہ حاضری، یہ آنا جانا، اسے رسمی نام رنگ مت دو۔ آپ خوش نصیب لوگ ہیں، لوگوں نے عمریں بسر کر دیں، بڑے سفر کئے کہ کوئی ایک لطیف قلب بتا دے۔ ابھی آپ خوش قسمت ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم ہستی پیدا کر دی جس کے سلسلے میں ابتدائی بات بھی فنا فی الرسول ہے، کیسی عجیب بات ہے، ہم نے یہ بہاریں دیکھی نہیں۔ عموماً دیہات میں مساجد ہیں لوگوں کو نماز پڑھنی نہیں آتی۔ لوگ جھاڑو دیتے ہیں، پانی بھر دیتے ہیں لیکن خود نمازیں نہیں پڑھتے۔ حضرت صاحبؒ ایک ٹوٹی پھوٹی مسجد میں ذکر کرتے تھے۔ اللہ اللہ کرتے تھے جو حاضر ہوتے تھے وہ بھی فنا فی الرسولؐ تھے۔ حساب ایسا ہوتا تھا، سماں ایسا ہوتا تھا کہ چل کر بیٹھو تو بارگاہِ نبوتؐ کی باتیں کرنا شروع کر دیتا تھا۔ میں حاضر ہوا تو حضور اس حال میں بیٹھے تھے۔ یار کیا عجب بات ہے کہ ایسے بڑے بڑے لوگوں کی شان کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ کوئی یہاں تو نے خاکروبوں کو دے رکھی ہے میاں یہاں یہ نعمتیں بٹتی ہیں اسے سمیٹتے وقت پورے خشوع اور پورے خضوع کے ساتھ اللہ کا نام لو۔ اللہ سے دعا کرو کہ خدا یہ نعمتیں تمہیں عطا کر دے۔ اس کی ایک نشانی ہے۔ ایک بندہ جو کسی مشہور گدی نشین کے پاس بیٹھا، خلافت کے لئے ایک کاغذ بھی دے دیا تو لوگوں نے پیر بنا دیا۔ آسان راستہ ہے نماز پڑھو یا نہ پڑھو، محنت کرو یا نہ کرو بنے بنائے پیر بن جاؤ۔ یہاں تو اپنا آپ گل کرنا پڑتا ہے، خود کو بیچنا پڑتا ہے، خود کو ہارنا پڑتا ہے اس شکست میں فتح ہے، جو ہارے گا وہ جیتے گا۔ اور یہ یاد رکھو کہ بہت بڑی دلیل یہی کافی ہے کہ جب شیطان دل میں بات القاء کر سکتا ہے تو اللہ کی بات زبان پر رہے تو کوئی فائدہ نہیں، یہ بھی دل میں جائے تو قوت پیدا ہو گی۔ دل ہی . . . اس کا جواب دے گا تب بات بنے گی اور یہ قوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس درجہ کی ہے کہ جس خشک تنے کے ساتھ وجودِ اقدس نے مس کیا وہ عشق و محبت کے جذبے سے آشنا ہو گیا۔ خچر پر سوار تھے حضورؐ تو خچر بد کا حضورؐ کے معجزات میں سے ہے کہ جس جانور پر آپؐ سوار ہوتے تھے

وہ گستاخی نہیں کرتا تھا، جب تک حضورؐ سوار رہتے تھے وہ پیشاب اور لید وغیرہ نہیں کرتا تھا [illegible] خچر بدکا تو صحابہ کرامؓ حیران ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اسے ملامت نہ کرو، یہ عذابِ قبر دیکھ کر ڈر گیا۔ کتنی عجیب بات ہے، ہمیں کیوں خبر نہیں ہوتی، اس لئے کہ ہم اپنے آپ کو حضورؐ کی ذات میں گم نہیں کرتے۔ اپنے آپ کو گم کردو اپنے قلوب کو، اپنے سینوں کو نورِ ایمان سے منوّر کردو، پھر مفتی کو فتوے لگا لینے دو، اُلجھو گے تو وقت ضائع کرو گے۔ لیکن جو بات دل میں بس جائے۔ اس کیفیت کا ہر لمحہ اللہ کا قُرب نصیب کرے، زندگی کا ہر سانس حضورؐ کی غلامی میں آگے سے آگے لاتا جائے۔

اس کے لئے کسی مفتی کے فتوے کی کیا ضرورت ہے آدمی اپنا خود ممتحن ہے، خود مفتی ہے، خود دیکھو۔ بہر حال تمہاری یہ مجلس، تمہارا یہ طریقہ، تمہارے یہ اذکار گناہ کی طرف لے جا رہے ہیں تو خدا کے لئے چھوڑ دو، گناہ کی طرف ہیں تو بالکل کوئی فائدہ نہیں لیکن اگر یہ مجالس تمہیں نیکی کی طرف لے جا رہی ہیں تو کسی سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر کوئی کاروبار کرتا ہے اور سرمایہ بڑھ رہا ہے تو وہ کسی سے مشورہ لینے جاتا ہے: اُسے کیا ضرورت ہے۔ سو سے شروع ہوا آج ڈیڑھ سو ہوگیا، کل دو سو ہوگیا، کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا ہر لمحہ، ہر سانس حضورؐ کے احکام کی، آپؐ کی ذات کی، آپؐ کی برکات کی طرف لے جا رہا ہے تو پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ یاد رکھئے یہ خدا اور یہ دینِ حق صرف زبانی کلام نہیں ہے۔ اس کے ساتھ کیفیات قلبی بھی ہیں۔ یہ نازل بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے قلبِ اطہر پر [illegible] ہوا اور آگے دلوں ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ اس کے لئے میری اور آپ کی طرف سے ٹوٹی پھوٹی مشقّت ضروری ہے۔ فطرت کا قانون ہے، قانون کو نہیں بدلا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا لیکن بغیر اسباب کے پیدا نہیں کیا ماں ایک سبب تو ہے نا اولاد کے پیدا ہونے کا۔ سبب نہیں چھوڑا اللہ تعالیٰ نے۔ جبرائیل امین کو حکم دیا اللہ تعالیٰ نے دم کرو۔ کیا ضرورت تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے دم کرنے کی۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ دنیا میں کوئی بات نہیں ہوگی مگر اس کا کوئی سبب ہوگا۔ اللہ کریم نے سبب نہیں چھوڑا حالانکہ بغیر سبب کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ پیدا کرنا چاہے تو جبرائیل کے دم کی کیا ضرورت تھی، ہماری مشقّت میں کچھ نہیں دھرا۔ یہ بھی اس کے قانون کا اتباع کرنا ہے کہ اس نے حکم دے دیا ہے کہ تم بھی مجاہدہ کرو میں انعام دوں گا۔ اب ہمیں اپنی حیثیت کے مطابق اپنی ساری قوّت، اپنا سارا خلوص خرچ کرنا ہے۔ وہ جب دیتا ہے تو اپنی شان کے مطابق دیتا ہے۔ زندگی میں اس بات کے منتظر نہ

رہا کرو کہ کوئی ہمیں کہے گا تو ہم ذکر کرنے چلے جائیں گے، کوئی ہمیں کہے گا تو ہم اجتماع میں شریک ہو جائیں گے۔ ارے کسی کو کیا ضرورت ہے۔ دل تو اپنا روشن کرنا ہے، دوسروں کے لئے محرک بن جاؤ بجائے اس کے کہ خود کسی کے منتظر رہو، جہاں تک برکات سلسلہ کا تعلق ہے، احباب ساتھ ہوتے ہیں، اللہ کریم کا احسان ہے کہ وہ اپنی بارگاہ کی حاضری اور در حبیبؐ کی حاضری کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ مشاہدہ یہ ہے کہ بعض دوست صاف ہوتے ہیں اور جب وہاں حاضری ہوتی ہے تو ان سے آگے جگہ ان کو ملتی ہے جو یہاں رہ جاتے ہیں۔ وہاں ان ظاہری فاصلوں کو نہیں دیکھا جاتا کہ کون مدینہ منورہ میں ہے اور کون لاہور میں رہتا ہے۔ وہاں دیکھا یہ جاتا ہے کہ قلبی طور پر کون کتنا قریب ہے، وہاں دلوں کے فاصلے ناپے جاتے ہیں، کون کتنی محنت کر رہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے لئے۔ خود کتنی دین کی بات پہنچا رہا ہے دوسروں تک، لہٰذا یہ فاصلے سمٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ اب جو صحابہؓ چین میں جا کر شہید ہوئے اور ایک آدمی کو جنت البقیع میں جا کر آج دفن کرتے ہیں وہ ان سے آگے تو نہیں بڑھتا۔ جب غور کریں تو دفن ہوئے تھے، جب بارگاہ نبوت میں دیکھیں گے تو آگے وہی ہوں گے جو چین میں گئے تھے لیکن کس کی خاطر گئے تھے وہاں۔ جتنا فاصلہ اطاعت پیغمبر میں ادھر طے کر گئے اتنا ادھر قریب ہوتے گئے۔ کوئی جہاں بھی رہ کر جتنی محنت ترویج سنت کے لئے کرتا ہے، اتنا وہ وہاں قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ ظاہری طور پر خواہ کہیں ہو تو اللہ کریم توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین۔

میرے بھائی یہ کرنے کا کام ہے پوچھنے کا نہیں۔ ہم کب تک زندگی بھر مفتیوں سے پوچھتے رہیں گے۔ ہمیں تو اس کی کبھی ضرورت نہیں۔ پہلے دن سے اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اب تک کبھی ضرورت نہیں۔ آپ حضرات اس پر توجہ دیں، دین الٰہی کی طرف۔ میں نے کوئی سفرنامہ نہیں لکھا، عادت تھی لیکن شاید ،، فرصت ہی نہیں ملی۔ اللہ کو منظور ہی نہیں تھا تو سارے سفر کا حاصل چار پانچ شعر ہیں۔ آپ کو سنا دیتا ہوں پھر المرشد میں آ جائیں گے۔ وہاں بھی پڑھ لینا،

حسنِ ظاہر سے تیرے روشن جہانِ رنگ و بُو
پر جمالِ باطنی کی ضو فشانی اور ہے

دیکھتی ہے آنکھ گنبد کو کبھی دَر کو کبھی
دل نے جو دیکھا ہے آقا وہ کہانی اور ہے

بہتے ہیں دریا بہت شوریدہ سر موجیں بھی ہیں
بحرِ رحمت کی تیرے لیکن روانی اور ہے

چاہنے والوں سے چھپنا ہے وطیرہ حسن کا
گھر یہ تیرے عاشقوں کی میزبانی اور ہے

تیری اطاعت میں ہے لطف زندگی بیشک فقیر
کیف آگہی لذتِ دردِ نہانی اور ہے

اللہ کریم آپ سب کو اس دَر کی دولت نصیب عطا فرمائے۔ آمین

محبتِ رسولؐ

(عارفہ اعوان۔ چکوال)

زباں پہ یہ بارِ خدا کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

یہ چھوٹا سا لفظ معانی کی ایک دنیا اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اہلِ زبان اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے معنیٰ "نہایت تعریف کیا گیا" مگر دیکھنا یہ ہے کہ تعریف کرنے والا کون ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی انسان یا"

بے شمار انسان بھی ہو سکتے ہیں لیکن انسان کی سوچ ناقص، علم محدود، نگاہ محدود، کہنے کے لیے زبان کا ذخیرہ محدود، لہٰذا انسان جب بھی کسی کی تعریف کرے گا وہ تعریف محدود، ناقص اور جزوی ہوگی اور اگر خود خالق ہی کسی کی تعریف کر دے تو اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ وہی حیثیت ہوگی جو خود خالق کی صفات کی حیثیت ہے۔ جب اس کی ہر صفت غیر محدود اور بے مثال تو لازمی بات ہے جس کی وہ تعریف کرے گا وہ تعریف بھی غیر محدود ہوگی اور وہ ذات بے مثل ہوگی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی انسان کی تعریف کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اوصاف جن کا تعلق اس کی ذات سے ہے ان میں وہ قابلِ تعریف خواہ وہ اوصاف حسی مادی اور ظاہری ہوں یا معنوی اخلاقی اور باطنی ہوں۔ دوسرا پہلو وہ اوصاف ہیں جن کا تعلق دوسروں سے ہو مثلاً معاملات وغیرہ —— اگر ایک شخص ذاتی طور پر تو بڑے اوصاف کا مالک ہے مگر جہاں تک دوسروں سے برتاؤ کا تعلق ہے وہ کسی تعریف کے لائق نہیں۔ تو ایسا شخص ناقص اور ادھوری شخصیت کا حامل ہے۔ کیونکہ علمائے اخلاق کا کہنا ہے کہ

کوئی کمال اس وقت تک کمال شمار نہیں ہوتا۔ جب تک دوسرے لوگ اِس سے مستفید نہ ہوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ ہستی جس کا نام محمدؐ ہے۔ کیا اس کی تعریف انسانوں نے ہی کی ہے یا خالق انسان نے بھی کی ہے اور اگر کی ہے تو اس ہستی کا کونسا پہلو قابلِ تعریف قرار دیا ہے۔ اس کا جواب جب خالق کی آخری کتاب سے تلاش کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ خالق نے اس کی پہلی حیثیت کی تعریف کرتے ہوئے بڑی تاکید کے انداز میں فرمایا اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ تاکید کے لیے اِنَّ ہی کافی تھا۔ مگر خالق نے علیٰ کے ساتھ (لَ) کا اضافہ کرکے اس کو اور بھی مؤکد کر دیا جبھی تو ایک قادر الکلام شاعر نے اپنے عجز کا اظہار کرتے ہوئے یہ حقیقت بیان کر دی کہ ؎

غالب! ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

یعنی اے غالب! ہم نے اس نہایت تعریف کیے گئے کی تعریف کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ صرف خالق ہی اپنے اس شاہکار کے مرتبہ اور منصب کو جانتا ہے۔ جہاں تک، اس ہستی اور اس ذات کی دوسری حیثیت کا تعلق ہے خالق نے خود اسی کو مخاطب کرکے پوری کائنات کے لیے اعلان کر دیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ یعنی تیری حیثیت صرف رحمتِ مجسّم کی ہے جو سارے جہان والوں کے لیے ہے — دیکھو تو اس عالمین میں کیا کیا آتا ہے۔ جمادات کی دنیا، نباتات کا جہان، حیوانات کا عالم، بنی نوع انسان کی دنیا، جن، فرشتے اور وہ سب مخلوق جو ابھی تک انسان کے احاطۂ علم میں نہیں آئی، سب عالمین میں شامل ہے۔ اجمال دیکھو اور تفصیل دیکھو — اجمال یہ ہے کہ عالمِ انسانیت میں سے ایک فرد ہے اور تفصیل دیکھو کہ اس ایک فرد کی رحمت اس کے فیوض و برکات تمام جہانوں میں اور تمام زمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کیا کہنا اس حیاتِ آفریں شخصیت کا۔ سچ کہا کہنے والے نے ؎

زندگی آپ کی عنایت ہے
ورنہ ہم لوگ مر گئے ہوتے

رحمت کی یہ وسعت بجا یہ عالمگیری درست مگر انسان ایسا کوتاہ بین واقع ہوا ہے کہ اس

کی نگاہ گھوم پھر کے اپنی ذات پر ہی آکر جم جاتی ہے۔ جیسا کہ اکبر نے کہا ہے ؎

ما را ازیں چہ کار بہ جرمن چہ می رسد
دریاب از نگاہ کہ "برمن" چہ می رسد

اس لیے ہر انسان یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس رحمت میں اس کا حصّہ کتنا ہے۔ یہ ایک خالص نفسیات کا مسئلہ ہے۔ مگر خالق نے بھی اپنی تخلیق کے شاہکار کا تعارف کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سنو تمہارا حصّہ کتنا ہے فرمایا: عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ اس رحمت میں اپنے حصّہ کی کچھ حقیقت معلوم ہوئی؟ غور کرو۔ کہا جا رہا ہے کہ اس کا تعلق تمہارے ساتھ یہ ہے کہ چوٹ تمہیں لگتی ہے درد اسے ہوتا ہے۔ ٹھوکر تم کھاتے ہو، دل اس کا دکھتا ہے۔ تباہی کی طرف تم لپکتے ہو نیند اس کی حرام ہو جاتی ہے۔ ڈھونڈو، تلاش کرو دنیا میں کوئی اور ایسی ہستی ہے امیر مینائی کی بات پر نہ جانا کہ کہہ گیا ہے ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یہ "ہم" بھی وہی ہے اور "ہمارے جگر" بھی وہی ہے جس کے متعلق خالق نے کہا عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ — ورنہ ایک شاعر کہاں اور انسانیت کی یہ عظمتیں اور رفعتیں کہاں — لو سنو ایک بات اور بھی بتائی گئی ہے — حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ — یعنی اسے رات دن یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کسی طرح تمہیں سکون راحت عیش میسّر آئے۔ اور یہ پہلو اتنا نمایاں ہے کہ پتھر کھا کر اور لہولہان ہو کر پتھر مارنے والوں کے لیے اپنے رب سے درخواست کرتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

یعنی اے میرے پروردگار! تو انہیں ان کی بد تمیزی کی سزا نہ دے بلکہ ان کو وہ نگاہ عطا فرما کہ مجھے پہچان لیں کہ میں ان کا خیر خواہ ہوں میں ان کی دنیا اور آخرت دونوں سنوارنے کے لیے یہ بادیہ پیمائی کر رہا ہوں — سچ بتاؤ کوئی ایسا رحمت مجسّم چشمِ فلک نے آج تک دیکھا ہے؟

ہاں ہاں ایک نکتہ اور سمجھ لو۔ کہ یہ دونوں صفات ان کے لیے ہیں اور مخاطب ان کو کیا جا رہا ہے جو نوعِ انسانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے ہوں پرائے ہوں۔

دوست ہوں۔ دشمن ہوں۔ واقف ہوں۔ اجنبی ہوں۔ گورے ہوں۔ کالے ہوں۔ بس انسان ہوں۔ انہیں مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اس رحمتِ مجسّم کا تمہارے ساتھ یہ برتاؤ ہے۔ رہے تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے اس سے پیمانِ وفا باندھا ہے جو اس کے اپنے ہونے کے مدعی ہیں ان کے ساتھ رحمت کا برتاؤ خصوصی اور امتیازی ہے۔ اس لیے فرمایا وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْم۔ رؤف کے لفظ میں رحمت کا وہ درجہ ہے جس سے اوپر اور کوئی درجہ نہ ہو اور یہ رحیمیت کا تعلق معاش اور معاد یعنی دنیا اور آخرت دونوں سے ہے یعنی مدعیانِ ایمان کی وہ اس طرح تربیت کرتا ہے ایسے رہنما اصول بتاتا ہے، ایسی تعلیم دیتا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے یہ زندگی بھی چین و سکون سے گذرتی ہے، اور آخرت بھی سنور جاتی ہے۔

یہ تو ہوئی ادھر کی بات۔ اپنی بھی کچھ خبر ہے؟ اپنی بھی کوئی ذمہ داری ہے؟ احسان شناسی کے کچھ تقاضے بھی ہیں کیا؟ ہاں ہاں کیوں نہیں؟ مگر ان تقاضوں کو پورا کرنے کی ہمت کس میں ہے؟ واقعی یہ درست ہے کہ احسان شناسی کا حق ادا کرنا ممکن ہی نہیں۔ کام مشکل سہی لیکن کرنے کا کام ہے یہی۔ لو اس مشکل کو آسان کر دیا ایسا آسان کہ اس سے زیادہ آسان ہونا ممکن نہیں۔ فرمایا بس اتنا کرو کہ اپنے دل کی دنیا کو میری محبت سے آباد کر لو اور بے فکر ہو جاؤ۔ محبت وہ طاقت ہے کہ سب تقاضے پورے کرا لے گی مگر کہیں یہ نہ کہہ دینا کہ "محبت ہوتی ہے کی نہیں جاتی"۔ یہ کلیہ ہی غلط ہے۔ محبت جو ہوتی ہے وہ طبعی ہوتی ہے اور جو کی جاتی ہے وہ عقلی ہوتی ہے اور اہلِ دل جانتے ہیں کہ محبت عقلی کو محبت طبعی پر کئی درجے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ بس بات بن گئی۔ مگر کون احمق کہتا ہے ہمیں اس رشکِ خوباں سے محبت نہیں۔ یہ دن جو ہم منا رہے ہیں یہ جلسے یہ جلوس یہ نعرے یہ جگمگ کرتی ہوئی رنگا رنگ روشنیاں یہ لاؤڈ سپیکر کی مدد سے گلی گلی پھر کے قسما قسم کے گانے قوالیاں، یہ فلمی نغموں کی طرز کے گیت۔ بھلا محبت کے بغیر سب کچھ ہو رہا ہے۔ ہماری طرح کی محبت بھلا کسی نے کب کی ہے۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس نے تو ضمانت دی تھی کہ

مجھ سے محبت کرو۔ سب دلدر دُور ہو جائیں گے اور یہاں حال یہ ہے کہ ہم طبلے کی تھاپ پر۔ ڈھول کے گیت پر۔ بینڈ باجے کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اور دنیا بھر میں رُسوا بھی ہم ہی ہیں۔ اس تضاد کی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کتنی بڑی نعمت ہے یہ احساس۔ بیمار کو اپنی بیماریوں کا احساس ہو جائے تو وہ یقیناً علاج کی تدبیر کرتا ہے۔ اس احساس کا تقاضا یہ ہے کہ محبت کے مسئلے پر حقیقت کے اعتبار سے غور کرو۔ تو معلوم ہو گا کہ محبت ایک جذبہ ہے جس کا مقام اور محل دل ہے۔ اور دل ہی ... سارے وجود اور اس کی حرکات و سکنات پر حکمران ہے۔ اس لیے جب دل میں محبت بس جائے گی تو اس کا ایک فوری اثر ہو گا کہ اپنی پسند کے خانے پہ قفل لگ جائیں گے اور محبوب کی پسند ... اپنی پسند بن جائے گی۔ اس کا اثر یہ ہو گا کہ محبوب کی اطاعت کا جذبہ اُبھرے گا۔ یہی جذبہ آخر اتّباع بن جائے گا۔ اطاعت اور اتباع میں فرق ہے۔ اطاعت یہ ہے کہ حکم کا انتظار کیا جائے جب حکم ملے تعمیل کر دی جائے۔ اسے اطاعت کہتے ہیں۔ اور اتباع یہ ہے کہ حکم کا انتظار نہ کیا جائے بلکہ ہر کام کرتے وقت یہ دیکھا جائے کہ یہ محبوب کو پسند ہے یا ناپسند۔ اگر پسند ہے تو وہ کام کرنے کا شوق اُبھرے اور ناپسند ہے تو اس کے قریب جانے سے بھی نفرت ہونے لگے۔ یہ ہے محبت اور یہ ہے تقاضائے محبت۔ اس لیئے ہمیں اپنے اندر جھانک کے دیکھنا چاہیئے کیا ہماری پسند و ناپسند کا معیار یہی ہے؟ اپنی روزمرّہ زندگی میں اعمال کا جائزہ لیا جائے کیا ہمارے اعمال پر محمّد رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی پسند کا ٹھپّہ کہیں نظر آتا ہے۔ افسوس کہ یہ دونوں خانے خالی نظر آتے ہیں بلکہ ہم بالکل خانہ خراب نظر آتے ہیں۔ پھر اس تضاد کا شکوہ کس سے اور کیوں؟

لیکن یہ جو کچھ ہم کرتے ہیں یعنی پہلے بارہ وفات مناتے تھے۔ پھر ہم جب ذرا "وفات" کے لفظ سے گھبرانے لگے تو ہم نے اس کا نام میلاد رکھا۔ پھر ہم نے اسے عید بنایا لیکن عید کے ساتھ پانچ کی جگہ چھ نمازوں کا تصوّر ہمارے لیئے سوہانِ روح بن گیا تو ہم نے اس کا نام جشنِ میلاد رکھا۔ کیونکہ جشن کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق خوشی منائے۔ اچھلے کودے ناچے گائے ہر طرح آزادی ہے۔ تو یہ کیا محبت نہیں!

لیکن یہ جو کچھ ہم کرتے ہیں — اگر یہ محبت نہیں تو محبت کیا ہوتی ہے۔ اس کے جواب مختلف ہو سکتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون سا جواب درست ہے۔ اس لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ محبوب ہی سے پوچھ لیا جائے کہ آپ محبت کسے کہتے ہیں۔ یہ تدبیر درست معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جب ہم پوچھتے ہیں تو جواب ملتا ہے مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ — یعنی جس کا دعویٰ یہ ہے کہ اسے مجھ سے محبت ہے اس کی عملی زندگی اگر میری زندگی اور میرے طریقے کے مطابق گذر رہی ہے اور اسے میری سنّت سے محبت ہے تو میری محبت کے دعوئی میں سچا ہے ورنہ جھوٹا ہے۔

بات تو بڑی سادہ آسان اور عقل کے مطابق ہے مگر حیرت ہے کہ ہماری سمجھ میں کیوں نہیں آتی — یہ حیرت بجا ہے مگر اس کی ایک وجہ ہے کہ معاشرے میں جن اصولوں کا غلبہ ہے ان سے زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوتا ہے عقائد ہوں۔ عبادات ہوں معاملات ہوں، اخلاق ہوں۔ اس اصول کی کارفرمائی یہاں نظر آتی ہے۔ آج کے معاشرے میں دو باتوں کا غلبہ ہے۔ ایک SHOW دوسرا ایکٹنگ۔ سینما اور ٹی وی نے اس جذبے کو مہمیز لگا رکھا ہے۔ ہمارے عقائد، ہماری عبادات، ہمارے معاملات، ہماری دنیا ہمارا دین سب اس کے آگے دب چکا ہے۔ گانا اور ایکٹنگ دونوں چیزیں SHOW کی جان ہیں روح رواں ہیں۔ گانے کو دیکھیے حال یہ ہے کہ

- انہیں شوقِ عبادت بھی اور گانے کی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھمریاں بن کر

ہماری حالت یہ ہے نماز پڑھیں، اذان کہیں۔ دعا کریں تلاوت کریں۔ وعظ اور تقریر کریں۔ جب تک وہ پہاڑی یا بھیروی کدارا یا مالکونس میں نہ ہو تسلّی نہیں ہوتی بلکہ اس کا نقشہ جو ایک دل جلے نے کھینچا ہے، خوب ہے ؎

آپ کی فرقت میں میں کل رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی گاتا رہا رویا نہیں

یعنی عشق و محبت کے انداز بھی بدل گئے ہیں۔ یہی حال ایکٹنگ کا ہے اب یہ نہیں دیکھا جاتا کہ حقیقت کیا ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اداکاری کا حق ادا ہوا یا نہیں۔ سینما اور ٹی وی۔ سٹیج نے دو رنگی سکھائی ہے کہ یوسف خان

جب سٹیج پہ ہو تو سچ مچ کا دلیپ کمار معلوم ہوتا ہے — اور حق یہ ہے کہ وہ بے چارہ نہ یوسف خان رہتا ہے نہ دلیپ کمار۔ وہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ انسان کی شکل میں ایک حیوان ہوتا ہے اس لیے جو کچھ ہم کرتے ہیں اور ہر سال نیا سوانگ بھرتے ہیں یہ محبت نہیں محبت کی ایکٹنگ میں کمال پیدا کرنے کی مشق ہے — جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہی کرتے رہے تو ایکٹنگ کے فن میں شاید ہم کمال پیدا کر لیں، لیکن دنیا کی رسوائی اور آخرت کی ذلت سے بچنا مشکل ہے کیونکہ محسن کائنات اور رحمتِ عالمؐ کی ذات کے ساتھ یہ ایک مذاق ہے۔ اور دین کی تعلیمات کی توہین اور اللہ و رسول پر عدمِ اعتماد کی منظم شکل ہے ؎

چہ گویمت ز مسلمانِ نامسلمانے
جز ایں کہ پورِ خلیل است و آذری داند

کیا آپ

ماہنامہ ”المرشد“ باقاعدگی سے پڑھتے ہیں ؟

- **المرشد** باطنی اصلاح کے لیے گھر کے ہر فرد کے پڑھنے کے لیے ہے۔
- **المرشد** صحت مند سوچ و فکر کی ایک زندہ علامت ہے۔

صرف **۷۵/-** روپے میں بارہ شمارے — اس میں ڈاک خرچ شامل ہے۔
براہِ کرم آج ہی ذیل کا کوپن پُر کر کے **۸۰** پیسے کے لفافے میں بذریعہ ڈاک روانہ کر دیجیے
یا اپنے حلقے کے امیر کو دے دیجیے —

میں المرشد کا ماہ ـــ ـــ ـــ سے خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں
نام ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ
مکمل پتہ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

تاریخ کے اوراق

عروسِ مطہرہؓ پر الزام تراشی

محمد ولی رازی

زیرِ نظر مضمون محمد ولی رازی۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے صاحبزادے کی کتاب ”ہادیٔ عالم“ سے لیا گیا ہے۔ اس کتاب کو ۱۴۰۲-۳ھ میں سیرۃ النبیؐ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کے مقابلے کا اوّل انعام حکومتِ پاکستان کی طرف سے دیا گیا۔ چار سو صفحات پر مشتمل اس کتاب کی خوبی کا اندازہ قارئین اس مضمون سے خود لگائیں۔

(ابنِ محبوب سبحانی)

عسکرِ اسلام سوئے معمورۂ رسول راہی ہُوا۔ معمورۂ رسول سے کئی کوس ادھر اِک مرحلے آکر رُکا۔ وہاں اِک اور معاملہ اِس طرح کا ہُوا کہ اِس سے اہلِ اسلام کو عموماً اور ہادیٔ کامل صلّی اللہ علیٰ رسولہٖ وسلّم کو اہم طور سے دِل دُکھ اور صدمہ ہُوا۔

رسولِ اکرمؐ کی عروسِ مطہرہ اور ہمدمِ مکرم کی لڑکی سارا عرصہ رسول اللہؐ کے ہمراہ رہی

عروسِ مطہرہ کے لیے اک محمل الگ رہا۔ راہ کے اس مرحلے آ کر عسکرِ اسلام رُکا۔ عروسِ مطہرہ کا ارادہ ہُوا کہ عسکر کی ورود گاہ سے دُور طہرہ کے حصول کے لیے راہی ہو محمل سے الگ ہو کر عروسِ مطہرہ ورود گاہ سے سوئے صحرا راہی ہُوا عسکرِ اسلامی کے لوگ اس امر سے لاعلم رہے کہ عروسِ رسول محمل سے الگ ہے۔

اِدھر عسکرِ اسلامی کو حکم ہُوا کہ وہ اس مرحلہ سے راہی ہو۔ لوگ آئے اور محمل کو اُٹھا کر سوار کرا کے الگ ہوئے اور لاعلم رہے کہ محمل عروسِ مطہرہ سے محروم ہے، اِس طرح عسکرِ اسلامی ورود گاہ سے سوئے معمورۂ رسول راہی ہُوا۔

اُدھر عروسِ مطہرہ کو وہاں اس لیے اک عرصہ لگا کہ عروسِ مطہرہ کا اِک ہار ٹوٹ کر گرا۔ اُس ہار کو اکٹھا کر کے وہاں سے ورود گاہ لوٹ کر آئی۔ وہاں آ کر معلوم ہُوا کہ عسکرِ اسلامی رواں ہُوا۔ دِل کو آس رہی کہ رسولِ اکرمؐ کو اگلے مرحلے آ کر معلوم ہو گا۔ وہ وہاں سے اس ورود گاہ کے لیے راہی ہوں گے اور وہ رسول اللہ کے ہمراہ سوئے عسکر رواں ہو گی۔ اُسی محل اِک رِدا اوڑھ کر سو گئی۔

اُدھر رسول اللہ کے دلدادہ ولدِ معطّل مامور رہے کہ وہ عسکرِ اسلامی سے اِک مرحلے اُدھر رہ کر راہی ہوں۔ اگر عسکرِ اسلامی کی ورود گاہ کسی کا مال رہے اُس کو اکٹھا کر کے اُس کے مالکوں کو لوٹائے، وہ راہ طے کر کے اِدھر آئے۔ محسوس ہُوا کہ رسول اللہ کی عروسِ مطہرہ وہاں محوِ آرام ہے۔ صدا لگا کر کلامِ الٰہی کا اِک حصّہ کہا۔ عروسِ مطہرہ اس صدا سے اُٹھی۔ ولدِ معطّل سواری لے کر اِدھر آئے کہ عروسِ مطہرہ سوار ہو اور وہاں سے الگ ہو کر کھڑے ہو گئے عروسِ مطہرہ سوار ہوئی اور ولدِ معطّل سواری کے مہار لے کر آگے آگے رواں ہوئے کہ دوڑ کر عسکرِ اسلامی کے ہمراہ ہوں۔ اس طرح راہ کے مراحل طے کر کے عسکرِ اسلامی سے آ ملے۔

مکّاروں کا گروہ کہ سدا اس امر کے لیے ساعی رہا کہ دھوکے اور مکّاری کی راہ سے اہلِ اسلام کو رُسوا کرے۔ اُس کو معلوم ہُوا کہ عروسِ مطہرہ ولدِ معطّل کے ہمراہ ورود گاہ سے آئی ہے۔ مردودوں کے دل مکروہ ارادوں سے معمور ہوئے۔ لوگوں سے مل کر عروسِ مطہرہ کی رُسوائی اور سوءِ کردار کے لیے طرح طرح کی مکروہ کلامی کی اور ولدِ سلول سارے

مکاروں سے سوا ساعی ہُوا کہ ولدِ معطّل کے حوالے سے عروسِ مطہرہ کے سر کوئی مکروہ لگا دے۔ اور اس طرح سرورِ عالمؐ کا دل دُکھا کر مسرور ہو۔ عروسِ مطہرہؓ اس امر سے لاعلم رہی کہ کوئی مکروہ امر اُس کے سر لگا ہے۔ مگر اہلِ اسلام ایک دوسرے سے اِس معاملے کے لیے محوِ کلام رہے۔

عسکرِ اسلامی رسول اللہ کے ہمراہ معمورۂ رسولؐ لوٹا۔ لوگ اُسی طرح اُس معاملے کے لیے اِک دوسرے سے محوِ کلام رہے۔ رسولِ اکرمؐ کو سارا حال معلوم ہُوا کہ ولدِ سلول کی مساعی سے رسول اللہ کے کئی دلدادہ ولدِ سلول کے ہم رائے ہو گئے۔ رسول اللہ کے دل کو اِس حال سے کڑا صدمہ ہُوا اور اُس سارا عرصہ رسول اللہؐ ملول رہے مگر دل کو آس رہی کہ اللہ کے حکم سے اِس معاملہ کے لیے وحی آئے گی اور اس سے سارا حال معلوم ہو گا۔

عروسِ مطہرہ سے مروی ہے کہ اِس معاملے سے وہ لاعلم رہی۔ مگر رسولِ اکرمؐ کے سلوک سے دِل کو کھٹکا لگا رہا کہ وہ گھر آ کر دوسروں سے عروسِ مطہرہ کا حال معلوم کر کے لوٹ گئے اور عروسِ مطہرہ رسول اللہ کی ہم کلامی سے محروم رہی۔ اِس سارا عرصہ رسول اللہ کا معمول اسی طرح رہا۔ تا آں کہ عروسِ مطہرہ کو اِک مسلمہ امِ مسطح سے سارا حال معلوم ہُوا۔ دل کو دھکا لگا اور اس طرح مسلسل روئی کہ محسوس ہُوا اُس کا دل اس صدمے سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے گا۔ وہ سارا عرصہ اسی طرح رو رو کے طے ہُوا۔ رسول اللہؐ سے کہا کہ اگر رائے ہو، والد کے گھر آ کر اِک عرصہ رہ لوں۔ رسول اللہؐ کی آمادگی سے والدِ مکرم کے گھر آئی۔ والدِ مکرم کو اوّل ہی سے سارا حال معلوم رہا۔ مگر عروسِ مطہرہ کو اس حال سے لاعلم رکھا۔ وہ گھر آئی اور والدہ سے رو کر سارا حال کہا۔ گھر والوں سے گلہ ہُوا کہ سارا معمورہ رسول اس حال سے آگاہ رہا۔ اور وہ اِس معاملے سے لاعلم رکھی گئی۔ والدِ مکرم روئے اور کہا کہ اللہ کا سہارا رکھو اور حکمِ الٰہی کی آس رکھو۔

اُدھر رسولِ اکرمؐ کے سارے ہمدم رسول اللہؐ کے اِس دلی ملال سے دُکھی رہے۔ ہمدم اُسامہؓ، ہمدم علیؓ کرم اللہ اور ہمدم عمرؓ سے رسول اللہؐ کو دلاسہ ملا۔ سارے لوگ ہم رائے ہوئے کہ عروسِ مطہرہ اِس

امرِ مکروہ سے دُور ہے اور وہ ہر طرح طاہر و مطہر ہے ۔ اسی طرح گھر کی مملوکہ سے کہا کہ ” اے مملوکہ گواہ ہوئی ہو کہ اللہ کا رسول ہوں ؟ “ کہا ” ہاں ! اے رسول اللہ ! “ کہا کہ ” ہم سے کہو کہ عروسِ مکرّمہ کے کردار کا حال کس طرح ہے ؟ “ مملوکہ آگے آئی اور کہا کہ ” واللہ ! عروسِ مکرّمہ سے ہر طرح کے امرِ مکروہ سے لاعلم ہوں ۔ ہاں گروہ اِک کم عمر لڑکی ہے اور آرام کی عادی ہے ۔ “

اِس طرح سارے لوگوں سے رسول اللہ علیٰ رسولہٖ وسلّم کو عروسِ مطہّرہ کے عمدہ اور طاہر کردار کی گواہی ملی ۔ رسولِ اکرمؐ حرمِ رسول آئے اور لوگوں سے ہمکلام ہوئے اور کہا ” اے مسلموں کے گروہ ! کوئی ہے کہ ہماری اُس آدمی کے معاملے کے لیے مدد کرے کہ وہ ہم کو ہمارے گھر والوں کے معاملے سے دُکھ دے کر مسرور ہُوا ہے ۔ واللہ ! اللہ کا رسولؐ گھر والوں سے سوائے عملِ صالح کے کسی اور امر سے لاعلم ہے اور وہ آدمی کہ اس معاملے سے موسوم ہُوا وہ امرِ صالح کے سوا ہر اَمر سے دُور رہے ۔ “

رسولِ اکرم صلّی اللہ علیٰ رسولہٖ وسلّم کا وہ کلام مسموع کرکے سردارِ اوس سعد کھڑے ہوئے اور کہا کہ اے رسول اللہ ! اِس معاملے کی مدد کے لیے آمادہ ہوں ۔ اگر وہ آدمی گروہِ اوس کا ہے ، اس کا سر کاٹ کر رکھ دوں گا اور اگر وہ ہمارے دوسرے گروہ سے ہے ، ہم رسول اللہؐ کے حکم کے عامل ہوں گے — دوسرے گروہ کے سردار سعد دوم کو محسوس ہُوا کہ گروہِ اوس کے سردار کا رد کئے کلام ہمارے لیے ہے ۔ اِس طرح دو کا اِک دوسرے سے مکالمہ ہُوا ۔ رسولِ اکرمؐ کھڑے ہوئے اور ہر دو گروہوں کو الگ کرکے گھر آگئے ۔

عروسِ مطہّرہ سے مروی ہے کہ
صدمے سے رو رو کر میرا حال دگر ہوا ۔ سرورِ عالم صلّی اللہ علیٰ رسولہٖ وسلّم گھر آئے اور اِس طرح ہمکلام ہوئے کہ اگر وہ اِس معاملے سے الگ ہے لامحالہ اللہ اس کی اطلاع دے گا اور اگر کسی امرِ مکروہ کی عامل ہوئی ہے اللہ سے دعا کرکے اُس کے رحم کا سوال کرے اِس لیے کہ آدمی اگر سوئے عمل کرکے اللہ سے کہہ دے اور دعا کرے اُس کی دعا کامگار رہے ۔

عروسِ مطہّرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ کے اِس کلام کو مسموع کرکے والدِ مکرّم کے

آگے آئی اور کہا کہ رسول اللہ سے اس معاملے کے لیے کلام کرو۔ مگر وہ ہر طرح کے کلام سے رُکے رہے۔ اسی طرح والدہ سے کہا، والدہ ہر طرح کے کلام سے الگ رہی۔

سائلِ کار رسول اللہ سے کہا کہ "اے رسول اللہ! اِس معاملے سے ہر طرح سے الگ ہوں، مگر حاسدوں کی ساعی سے وہ معاملہ دلوں کو رسا ہوا ہے۔ اس لیے اللہ ہی اس معاملے کے لیے کوئی حکم وارد کرے گا۔

ہادیٔ کامل صلی اللہ علیٰ رسولہٖ وسلم اُسی گھر رہے کہ معاً وحیٔ الٰہی کے احوال طاری ہوتے اور اللہ کے حکم سے کلامِ الٰہی وارد ہوا اور عروسِ مطہرہ کے لیے گواہ ہوا کہ وہ ہر طرح اس مکروہ معاملے سے الگ ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیٰ رسولہٖ وسلم کلامِ الٰہی حاصل کرکے اُٹھے، رُوئے مسعود مسکراہٹ سے مرصع ہوا اور عروسِ مطہرہ سے کہا کہ:

"مسرور ہو کر رہو کہ عروسِ مطہرہ کے لیے اللہ کی گواہی آگئی کہ وہ اس معاملے سے الگ ہے اور طاہرہ ہے۔"

عروسِ مطہرہ کو وہ اہم اکرام ملا کہ اُس کے لیے کلامِ الٰہی کا اِک حصہ وحی ہوا اور سدا سدا کے لیے عروسِ مطہرہ کے کردارِ اعلیٰ و طاہر کا گواہ ہوا۔ اہلِ اسلام کو معلوم ہوا کہ وحیٔ الٰہی سے سارا معاملہ طے ہوا ہے۔ سارے اہلِ اسلام کے دِل کھِل اُٹھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیٰ رسولہٖ وسلم کا حکم ہوا کہ وہ مسلم کہ مکاروں کے ہم رائے ہوگئے اس طرح کے لوگوں کو اسّی دُرّے لگاؤ۔

> اس سلسلے کے متعلق اصل بات جو نہ جاننے والوں یا نادانوں کو کھٹکتی ہے، وہ یہ ہے کہ کیا روح سے اخذِ فیض اور اجرائے فیض ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب کی دو ہی صورتیں ہیں، یا تو جاننے والوں پر اعتماد کرو، یا اس بحر میں خود اُتر کر دیکھو۔ دوسری صورت تو وہی اختیار کر سکتا ہے، جس میں طلب اور خلوص ہو۔
>
> (حضرت مولانا اللہ یار خان رح)

اذان سے متعلق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

(ڈاکٹر محمد دین ۔ پنڈی گھیب)

حضرت ابو محذورہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ اذان پڑھنا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس سکھایا۔ مجھ سے فرمایا کہو اللہ اکبر اللہ اکبر، اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر ـــ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ۔ اَللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔

حضرت ابو محذورہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان سکھائی انیس کلمے اور اقامت سترہ کلمے۔

(مسند احمد ۔ ترمذی ۔ ابو داؤد ۔ نسائی ۔ مسند دارمی ابن ماجہ)

تشریح :

حضرت ابو محذورہ رضؓ کی اوپر والی روایت میں اذان کے پورے انیس ۱۹ کلمے ہیں کیونکہ شہادت کے چاروں کلمے اس میں مکرر آئے ہیں اور اقامت میں سترہ کلمے اس طرح ہوں گے کہ شہادت کے کلمے مکرر نہ ہونے کی وجہ سے چار کلمے کم ہو جائیں گے اور " قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ " دو کلموں کا اضافہ ہو جائے گا۔ اس کمی اور بیشی کے بعد ان کی تعداد پوری سترہ ہو جائیگی ابو محذورہ رضؓ کو اذان سکھانے کا یہ واقعہ شوال ۸ھ کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین سے فارغ ہو کر واپس آ رہے تھے۔

اس واقعہ کی تفصیل جو مختلف روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتی ہے بڑی دلچسپ بھی ہے

اور ایمان افروز بھی اس لیے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ حنین کی طرف تشریف لے گئے جبکہ آپؐ کے ساتھ ایک خاصی بڑی تعداد ان طلقاء کی بھی تھی جن کو آپؐ نے فتح مکہ کے دن ہی معافی دے کر آزاد کیا تھا۔ تو ابو محذورہ رضؓ بھی جو اس وقت شوخ نوجوان تھے اور مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اپنے ہی جیسے نو اور یار دوستوں کے ساتھ حنین کی طرف چل دیئے — خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ میں حضورؐ سے ہماری ملاقات ہوئی۔ نماز کا وقت آنے پر رسول اللہؐ کے مؤذن نے اذان دی۔ ہم سب اس اذان سے (بلکہ اذان والے دین سے ہی) منکر و متنفر تھے اس لیے ہم سب ساتھیوں نے مذاق اور تمسخر کے طور پر اذان کی نقل کی اور میں نے بالکل مؤذن ہی کی طرح خوب بلند آواز سے نقل کرنی شروع کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز پہنچ گئی تو آپؐ نے ہم سب کو بلوا بھیجا۔ ہم لاکر آپؐ کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ تم میں سے وہ کون ہے جس کی آواز بلند تھی (ابو محذورہ رضؓ کہتے ہیں) میرے ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کر دیا، اور بات بھی سچی تھی۔ آپؐ نے اور سب کو تو چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا کھڑے ہو اور پھر اذان کہو! (ابو محذورہ رضؓ کا بیان ہے کہ) اس وقت میرا حال یہ تھا کہ میرا دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور نماز سے متعلق (معاذ اللہ) بغض سے بھرا ہوا تھا لیکن میں مجبور و بے بس تھا، اس لیے ناچار حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہؐ نے مجھے خود اذان بتانی شروع کی، اور فرمایا، کہو "اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ" (آخر تک بالکل اسی طرح جیسے اوپر والی حدیث میں گزر چکی ہے) — آگے ابو محذورہ رضؓ بیان کرتے ہیں جب میں اذان ختم کر چکا تو آپؐ نے مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی۔ اور میرے سر کے اگلے حصہ پر آپؐ نے اپنا دستِ مبارک رکھا اور پھر آپؐ نے دستِ مبارک چہرے پر اور پھر میرے سامنے کے حصہ پر یعنی سینہ پر اور پھر قلب و جگر پر اور پھر ناف کی جگہ تک پھیرا۔ پھر مجھے یوں دعا دی "بارک اللہ فیک وبارک اللہ علیک"۔ "اللہ تعالیٰ تیرے اندر برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے۔" یہ دعا آپؐ نے مجھے تین دفعہ دی

(حضورؐ کی اس دعا سے اور دستِ مبارک کی برکت سے میرے دل سے کفر و نفرت کی وہ لعنت ختم اور ایمان اور محبّت کی دولت مجھے نصیب ہوگئی۔) اور میں نے عرض کیا کہ مجھے مسجدِ حرام کا مؤذّن بنا دیں۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ ہم حکم دیتے ہیں اب تم مسجدِ حرام میں اذان دیا کرو!"

اس پوری تفصیل سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے شہادت کے کلمے (اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور اشہد ان محمد رسول اللہ) مکرر یعنی دو دفعہ کی بجائے چار دفعہ کیوں کہلوائے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دل میں اس وقت ایمان نہیں آیا تھا انہوں نے صرف حکم سے مجبور ہو کر اپنے اس وقت تک کے عقیدے کے بالکل خلاف اذان دینی شروع کی تھی اور اذان کے کلمات میں سب سے زیادہ ناگوار ان کو شہادت کے یہی دو کلمات تھے۔ (یعنی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور اشہد انّ محمد رسول اللہ) جب ایک دفعہ وہ کہہ چکے حضورؐ نے فرمایا ان کلموں کو دوبارہ کہو اور خوب بلند آواز سے کہو۔

اس عاجز کا خیال ہے کہ آپؐ ان کی زبان سے یہ کلمے کہلوا رہے تھے اور خود اللہ تعالےٰ کی جانب متوجہ تھے کہ وہ ان کلموں کو اپنے اس بندے کے دل میں اتار دے۔ الغرض یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ اُس وقت اُن کی خاص حالت کی وجہ سے کہلوائے ہوں ورنہ کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے مستقل مؤذّن حضرت بلال رضؓ کو یہ حکم دیا ہو اور وہ اذان میں شہادت کے یہ کلمے اس طرح چار چار دفعہ کہتے ہوں۔

اسی طرح عبداللہ بن زید رضؓ کے خواب کی صحیح روایات میں بھی شہادت کے یہ کلمے دو ہی دفعہ وارد ہوئے ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ابو محذورہ رضؓ مکّہ معظّمہ میں ہمیشہ اسی طرح اذان دیتے رہے۔ یعنی ان کلموں کو مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق چار چار دفعہ کہتے رہے جس کو اصطلاح میں (ترجیع) کہتے ہیں جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضورؐ نے جس طرح ان سے اذان کہلوائی تھی اور جس کی برکت سے ان کو دین کی دولت ملی تھی وہ ایک عاشق کی طرح چاہتے تھے کہ ہو بہو وہی اذان دیا کریں ورنہ وہ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ حضورؐ کے مؤذّن بلال رضؓ کس طرح اذان دیتے ہیں۔

اسی واقعہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ابو محذورہ رضؓ کے سر کے اگلے حصّہ (ناصیہ) پر جہاں دستِ مبارک

رکھا تھا وہ وہاں کے اپنے بالوں کو کبھی نہیں کٹواتے تھے، اس عاجز کا خیال ہے کہ جیسے یہ اُن کی عاشقانہ ادا تھی اسی طرح ان کی ایک ادا یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ ترجیع کے ساتھ اذان کہتے تھے، اور بلاشبہ حضورؐ کو اس کا علم تھا لیکن حضورؐ نے منع نہیں فرمایا۔ اس لیے اس کے بھی جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں! اور حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بیان فرمائی ہے کہ "اذان و اقامت کے کلمات کا یہ اختلاف بس مختلف قرأتوں کا سا اختلاف ہے۔"

واللہ اعلم۔

اذان اور اقامت سے متعلق بعض احکام

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مؤذن بلالؓ سے فرمایا!

"جب تم اذان دو تو آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر دیا کرو (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑو اور وقفہ کیا کرو) اور جب تم اقامت کہو تو رواں کہا کرو، اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ دیا کرو کہ جو شخص کھانے پینے میں مشغول ہے وہ فارغ ہوجائے اور جس کو استنجے کا تقاضا ہے وہ جاکر اپنی ضرورت سے فارغ ہولے۔ اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لیا کرو۔"

(جامع ترمذی)

سعد قرظؓ جو (مسجد قباء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے مؤذن تھے ان سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت وہ اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں، آپؐ نے ان سے فرمایا "ایسا کرنے سے تمہاری آواز زیادہ بلند ہوجائے گی"

(سنن ابن ماجہ)

حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ سے خود سنا ہے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں سے دراز گردن (یعنی سربلند) ہوں گے"

(صحیح مسلم)

حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا! "قیامت کے دن تین قسم کے آدمی مشک کے ٹیلوں پر ٹھہرائے جائیں گے۔ ایک وہ نیک غلام جس نے دنیا میں اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی، دوسرا وہ آدمی جو کسی جماعت کا امام بنا اور لوگ اس کی نیک عملی اور پاک سیرت کی وجہ سے اس سے راضی اور خوش رہے اور تیسرا وہ بندہ جو دن رات کی پانچوں نمازوں کے لیے اذان دیا کرتا تھا۔"

(جامع ترمذی)

معاشرت

موسمِ انتخاب

(احمد نواز — گوجرہ)

اِس عالمِ رنگ و بو میں موسمِ خزاں اور موسمِ بہار ہی نہیں بلکہ موسمِ انتخاب بھی تشریف لایا کرتا ہے۔ جونہی یہ موسم قریب آتا ہے، قوم و ملک اور غریبوں سے ہمدردی رکھنے والے راتوں رات کھمبیوں کی طرح نمودار ہو جاتے ہیں اور جب تک یہ موسم گزر نہیں جاتا یہ بے لوث باکردار، نڈر اور غریبوں سے ہمدردی رکھنے والے دن رات ان کی محبت میں تڑپتے رہتے ہیں —— پچھلے دنوں تو دیواروں کے ساتھ اس قدر پوسٹر اور بینرز لگے ہوئے تھے کہ گھر "تلاش کرنا پڑتا تھا —— خیر یہ تو کوئی حیران کی بات نہ تھی بلکہ حیران اس بات کی تھی کہ پوری کی پوری قوم ایک ہی رات میں نڈر، بے باک، با اخلاق باضمیر، باصلاحیت، تعلیم یافتہ اور غریبوں کی ہمدرد بن گئی۔ یہ کس نظر کا کمال تھا کہ راتوں رات چور اُچکے، ڈاکو لٹیرے، رسہ گیر اور فراڈیے، نہ صرف توبہ کر بیٹھے بلکہ اخلاق کی ان بلندیوں کو چھونے لگے جو انسانیت کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ہیں اور پھر یہ تو عام صفات تھیں" جو ہر طرف بکھری ہوئی تھیں۔ اِس سے آگے چلیئے ایک بینرز پر لکھا تھا "کردار کا غازی" یہ لفظ میرے لیے کچھ نیا تھا۔ کیونکہ میں نے آج تک یہی سُن رکھا تھا کہ جو جنگ سے بچ کر واپس آجائے وہ غازی ہوتا ہے۔ اچنبھے کی بات یہ تھی کہ اس کے کردار سے میں ہی نہیں بلکہ پورا شہر واقف ہے۔ اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے آٹھ سال قبل بھی یہ صاحب الیکشن کے لیے کھڑے ہوئے تھے اور جب یہ کاغذات نامزدگی داخل کروانے مجسٹریٹ کے پاس پہنچے تو ان کے مخالف فریق

نے ان کے خلاف چوّن فراڈ کیس کی لسٹ پیش کی۔ جو مختلف عدالتوں میں زیرِ سماعت تھے — لیکن مجسٹریٹ نے یہ کہہ کر ان کے کاغذات منظور کر لیے کہ ان کو ابھی تک کسی کیس میں سزا نہیں ہوئی۔ چونکہ یہ ہر کیس سے بچ کر یہاں پہنچے تھے شاید اس لیے انھوں نے اپنے نام کے ساتھ کردار کا غازی لکھ رکھا تھا۔ بعد والے آٹھ سالوں کے فراڈ کیس اس لسٹ سے خارج ہیں۔

سرِ راہ چلتے ایک اور بینر پر نظر پڑی — یہ الیکشن کا کم اور شادی کا اشتہار زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ منبعِ شرافت، پابندِ صوم و صلوٰۃ، باکردار، بے داغ ماضی وغیرہ وغیرہ — تصویر پر نظر پڑی تو دل تھام کر رہ گئے۔ یہ بھی نامی گرامی شخصیت تھی۔ جس کا جو ہاتھ آیا کھڑے کھڑے ہضم کر گئے۔ وہ لیتا رہے اور یہ دیتے رہیں۔

خیر اللہ نے آنکھوں کی نعمت عطا کی تھی کچھ اور بینرز بھی دیکھے — کچھ اَن پڑھوں نے تو اپنے نام کے ساتھ ایسی ایسی گرہ لگائیں کہ شاعر بھی دل تھام کے رہ جائے — جیسے چوہدری بشیر = قوم کی تقدیر، آپ کے مسائل کا واحد حل = چاچا گامو کھٹمل، ہاتھوں میں ہاتھ دو = ماجھے کا ساتھ دو۔

اب آگے چلے تو دیکھا کہ ہر چاچا، ماجھا ستاروں پہ کمندیں ڈال رہا ہے۔ قوم کے ہر مسئلے کو چٹکیوں میں حل کر رہا ہے۔ سودے بازیاں ہونے لگیں، سمجھوتے ہونے لگے، کھچڑیاں پکنے لگیں۔ پیروں سے رقعے منگوائے جانے لگے۔ واللہ سڑکیں پُر بہار اور گلیاں دلفگار نظر آنے لگیں — شرافت، دیانت، محبت، اور اعلیٰ اخلاقیات کے نظارے نظر آنے لگے — یہ سب لوگ مسجدوں میں آنے لگے، نمازیں شروع ہو گئیں۔ گلی محلّہ میں کوئی وفات پا گیا یہ وہاں بھی موجود، کسی کی بکری بیمار ہو گئی تو یہ بیمار پُرسی کے لیے حاضر۔ غریب امیر ہر شخص سے جھک کر مل رہے ہیں۔ عمر میں کوئی چھوٹا بھی آ رہا ہو تو سلام میں پہل کرتے ہیں۔ یتیموں کے سروں پہ ہاتھ رکھتے نظر آتے ہیں۔ بوڑھے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے لگے۔ کیا خوب نظارے تھے۔ جس کی تعریف تو سنی تھی دیکھا کم ہی تھا۔ ہم پھر کچھ اور آگے بڑھے تاکہ ان کی محفلوں کی رونقیں بھی دیکھیں یقیناً یہ سب لوگ یکجا ہونے کا سبق دیں گے۔ یقیناً ہمیں اخلاقیات کا سبق دیں گے۔ محبت کی ہوائیں چلیں گی۔ کیونکہ یہ قوم ایک نیا

عزم لے کر اٹھی ہے۔ ایک ولولہ ہے، ایک جوشش ہے۔ خیر ہم ایک انتہائی نڈر، بے باک، اور باضمیر کے جلسے میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ دال میں ایک کالا نہیں کئی کالے ہیں۔ جنھیں جلتی دیر منی چھُو ختم نہیں ہوں گے۔۔ انہوں نے مدِمقابل پر ایسے ایسے وار کیے کہ ہم دنگ رہ گئے۔ لعن طعن کا سلسلہ اس قدر گرم تھا گویا کہ ابھی دوزخ سے نکلا ہو۔ اس کے ایسے ایسے راز افشا کیے جس کی خود اس کو پوری طرح خبر نہ تھی۔ آخر پر انہوں نے پورے اعتماد سے کہا" انشاء اللہ۔ ۳ تاریخ کی شام آپ کی شام غریباں ہوگی۔

اگلے روز میں دوسرے مدِمقابل کے جلسے میں چلا گیا۔ یہ صاحب سابقہ میونسپل کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ ہم نے سوچا کہ شاید یہ پہلے کے کردار کو نظر انداز کر کے فراخدلی کا ثبوت دیں اور بجائے اس کی پگڑی اُچھالنے کے ہمارے مسائل بیان کریں اور یہ ثابت کر دکھائے کہ اس کے اندر اتنی صلاحیت موجود ہے کہ معاشرے کے اندر جو بُرائیاں موجود ہیں وہ ان کا مقابلہ کر سکتا ہے دھارے کا رُخ موڑ سکتا ہے۔ تعمیر وطن میں ہاتھ بٹا سکتا ہے۔۔ خیر جلسہ شروع ہو گیا۔ پچھلے روز ان پر جو گونگلو برسائے گئے تھے ان میں سے چند ایک کو اٹھا کر انہوں نے ان پر سے لوگوں کے سامنے مٹی جھاڑی اور اب جو انہوں نے چاند ماری کا سلسلہ شروع کیا تو لوگ سکتے میں آ گئے۔ انہوں نے لوہار کی چوٹیں لگائیں اور پھر سب سے آخر میں جو زوردار گونگلو مارا وہ یہ تھا۔ لوگوں میں آپ کے سامنے یہ بات حلفاً کہتا ہوں اور میرے پاس اس کے تمام ثبوت موجود ہیں کہ آج سے چند ماہ پہلے جس روز میرے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی جا رہی تھی اس رات میرے حزبِ اختلاف کے ممبران نے رات کو ٹی وی پر ننگی تصویروں کے کیسٹ دیکھے تھے۔ ان میں ایک نہیں دو نہیں غالباً بارہ چودہ ممبر تو ضرور ہوں گے۔۔

ارے یہ تو موسم انتخاب نے آنا تھا اور نئے نئے گل کھلنے تھے۔ ورنہ ہمیں کیا معلوم کہ یہ لوگ اخلاق کی کن بلندیوں پر نازاں ہیں۔ خیر ان لوگوں نے تو اپنی حیثیت کے مطابق ہی چھپ کر کچھ کیا ہوگا یہ کوئی ایوب تنول تھوڑی تھے کہ سرِعام شراب پی کر مری اور ایوبیہ کی بلندیوں پر دادِ عیش وصول کرتے پھرتے۔۔ بات لمبی نہ ہو جائے۔

موسم انتخاب گزر چکا۔ کچھ لوگ ان میں

اچھے بھی تھے۔ اور باقی تمام لوگوں نے نیکی، خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس وقت ہر گلی اور ہر بازار میں شرافت، دیانت، محبت اور اعلیٰ اخلاقیات کے نظارے نظر آ رہے ہیں۔ جو بھائی منتخب ہو چکے ہیں۔ یقیناً ہر شخص کے نام کے ساتھ بھی اوصاف لکھے ہوں گے۔ ہر منتخب نمائندہ ایک چھوٹی سی ریاست کا سربراہ ہوگا — یہ آج لوگوں کے سامنے جوابدہ ہوگا اور کل یقیناً یہ خدا کی بارگاہ میں جوابدہ ہوگا اس سے پہلے بھی لوگ منتخب ہوتے رہے۔ انہوں نے بھی شرافت، محبت اور اخلاقیات کے نقاب اپنے چہروں پر اوڑھ رکھے تھے۔ لیکن کامیاب ہونے کے بعد ہوا کے معمولی جھونکوں نے ان کے یہ نقاب اُلٹ دیئے تھے۔ انہوں نے چند روز کے لیے اپنے چہروں کے تاثرات کو بدلا تھا لیکن شاید ان کے دل نہیں بدلے تھے۔

اب آنے والے نمائندے اگر یہ تہیہ کر لیں کہ ہم نے اپنی اس مختصر سی ریاست کو صحیح معنوں میں مثالی بنانا ہے تو ایک ہی وقت میں پورے معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے اب ہر شخص کے ذہن میں اگلے سوال یہ ہوں گے کیا ان لوگوں کے اخلاق ایسے ہی رہیں گے! کیا یہ واقعی انسانیت کی بے لوث خدمت کریں گے! کیا یہ لوگ واقعی حق اور سچ کے لیے نڈر اور بے باک ثابت ہوں گے! کیا بوڑھے اسی نگاہ سے دیکھے جاتے رہیں گے! کیا یہ لوگ اسلام کی روایات کو زندہ کرتے ہوئے یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ آج کس گھر کے مکین بھوکے سو رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ خدائے بزرگ و برتر سے یہ دعا کریں کہ اس ملک کی حفاظت فرمائے اور کامیاب امیدواروں کو نیک نیتی سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نماز:

- نماز دین کا ستون ہے۔
- نماز مومن کی معراج ہے۔
- نماز برائیوں سے روکتی ہے۔
- نماز بے حیائی سے بچاتی ہے۔
- نماز جنت کی کنجی ہے۔

المرشد دینی رسالہ ہی نہیں، ایک تحریک بھی ہے۔

ایثار

یہ مضمون قاری محمد اشرف ہاشمی کے پمفلٹ "تنظیم المسلم" سے لیا گیا ہے۔ قاری صاحب جامع نشانِ اسلام گلبرگ لاہور میں خطیب تھے۔ آپ ایک پُر جوش مبلّغ اور شعلہ بیان مقرر تھے۔ اسلام دشمن عناصر آپ کی شعلہ بیانی سے بے حد نالاں رہتے تھے۔ ۹ مئی ۱۹۸۳ء بروز بدھ رات ۱۰ بجے کی پرواز سے تبلیغی دورے پر ہانگ کانگ کے لیے روانگی تھی۔ اُسی دن دوپہر کے وقت لاہور ایئرپورٹ جا کر اپنی سیٹ اوکے کروائی لیکن واپس گھر نہ پہنچ سکے — دشمنانِ اسلام اپنا وار کر گئے۔ اور اس مجاہد اسلام کو اغوا کر لیا۔ حکومت آج تک ان کی بازیابی میں ناکام رہی ——————— (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ؛

اشاعت اسلام اور نفاذِ اسلام کے لیے نفاذِ اسلام کے علمبرداروں نے اپنے اپنے انداز میں بھرپور کوشش کی ہے۔ لیکن ابھی تک کامیابی کے آثار نظر نہیں آ رہے منزل تک پہنچنے کے لیے مختلف راستے اختیار کیے گئے ہیں لیکن منزل بتدریج دُور ہوتی جا رہی ہے۔

کسی نے فقط اقتدار کو اسلام کا راستہ قرار دیا اور کسی نے صرف وعظ و تقریر کو۔ لیکن پیار و محبت کا وہ راستہ جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اختیار کیا تھا علمبردارانِ اسلام نے اس پر چلنے کی ہمت نہیں کی — اور اگر کی بھی تو انفرادی طور پر اجتماعی انداز میں یہ فضا پیدا نہ ہو سکی۔

ہماری یہ تمنا تھی کہ ایک ایسی جماعت ہو، جو پیار کا علم لے کر نکلے جو محبت کی دولت تقسیم کرنے والی ہو۔ جو زخمی دلوں کے لیے مرہم بنے جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کی فکر رکھتی ہو — ننگوں کے لیے لباس اور بھوکوں کے لیے کھانا اور مریضوں کے لیے دوا مہیا کرے —

ایک ایسی جماعت ہو جس کا ایک ایک فرد

پوری بستی کے لیے رحمت ہو جہاں وہ تنہا خدمت کر سکتا ہو تو تنہا کر گزرے اور اگر اس کے لیے یہ ممکن نہ ہو تو ساتھیوں کو آواز دے۔ اس جماعت کی ساری کوشش کاوش کا مقصد اپنی بڑائی نہ ہو، بلکہ یہ تمنا اور تڑپ ہو کہ اللہ رب العزت کی بات بلند ہو (لِتَكُوْنَ كَلِمَةَ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا) خدا کے بندے خدا سے پیار کرنے لگیں آقا کا ہر اُمتی اپنے آقا کے بتلائے ہوئے راستے پر آجائے اور وہ لوگ جو اس دین سے اجنبی ہیں، اس کے قریب آجائیں ——

اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کو بھی اپنے بندوں کی محبت کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ آپ ایک ایک عبادت پر نظر ڈالیے تو یہی حقیقت سامنے آئے گی۔ مثلاً:

۱۔ **زکوٰۃ** کو دیکھیے خدا کے پیار میں مال قربان کرنے کا نام زکوٰۃ ہے۔ اس کا طریقہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ مال کو جلا دیا جاتا یا دریا میں پھینک دیا جاتا۔ ایسا نہیں بلکہ یہ حکم دیا گیا کہ میری رضا کے لیے اپنا مال میرے بندوں پر صرف کرو۔

۲۔ **روزہ** رکھو یعنی خدا کے لیے بھوکے اور پیاسے رہو اور اگر روزہ نہ رکھ سکو تو مسکین کو کھانا کھلا دو۔ معلوم ہوتا ہے کہ روزے سے جہاں بندے کے دل میں اللہ رب العزت کا پیار پیدا کرنا مقصود ہے وہاں ساتھ ہی اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور احسان کا سبق دیا گیا ہے۔

۳۔ **حج**: جہاں اللہ رب العزت کی محبت جنون کی حد تک جا پہنچتی ہے وہاں خلقِ خدا کے پیار کو اُجاگر کرنے کے لیے قومیت، وطنیت کے سارے لباس اتروا کر رنگت، لسانیت کے تمام پردے چاک کر کے دولت، بادشاہت کے تاج تار تار کر کے ایک لباس اور ایک زبان کی وحدت میں منسلک ہو کر اپنے دربار میں آنے کا حکم صادر فرمایا:

۴۔ **نماز** کو دیکھیے جہاں بندہ تمثیلی طور پر گویا اپنے مالک کے قدموں پر گر جاتا ہے انتہائی عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ محبوب نے اپنے پیار کے لیے آنے والوں سے کہہ دیا ہے کہ میرے دروازے پر آنے والو! میرا پیار تب ملے گا جب کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنا ملا کے کھڑے ہو گے،

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

ستم یہ ہے کہ ہم سالہا سال تک کندھے سے کندھا ملائے نماز ادا کرتے ہیں۔ ایک صف میں کھڑے ہو کر بظاہر اخوت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسم تو آپس میں ملتے ہیں دل نہیں ملتے۔ دلوں کے فاصلے اسی طرح برقرار رہتے

ہیں ـــــ ضرورت اس بات کی ہے کہ دلوں کو جوڑا جائے۔ ہر شخص اپنے ساتھ والے کو اس نظر سے دیکھے کہ میں اپنے بھائی کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔ اور پھر جو اس سے ممکن ہو وہ کر گذرے تو یقین جانیئے اس صف سے دُور بھاگنے والا ایک روز خود آ شامل ہوگا۔

اپنی ذات کے لیے، اپنی اولاد کے لیے اپنے گھر کو سنوارنے کے لیے محنت کرنا مال صرف کرنا بھی نیکی ہے۔ لیکن یہ کام تو اس کائنات کا ہر فرد کر رہا ہے۔ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک ایک ایک کیڑا پرندہ اور زمین پر چلنے والا جانور سب یہ کام بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

اسلام ہمیں قربانی کا سبق دیتا ہے، قربانی دینے والوں کو انعام کی بشارت اور بخل کرنے والوں کو وعید سُناتا ہے مثلاً سورہ مدثر میں ہے کہ جب جنتی جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ تمہیں دوزخ میں کیا چیز لے گئی تو وہ جواب دیں گے:

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝

"ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے،
اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔"

سورۃ الحاقہ میں فرمایا:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ
صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ
ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا
فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ
لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

"اسے پکڑو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے جہنم میں ڈال دو، پھر اس کو ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو، یہ نہ تو اللہ ربّ العزت پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔"

سورہ الفجر میں پتھر انسانوں سے شکوہ کرتے ہوئے فرمایا:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ
الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ
عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝
وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝
كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ
دَكًّا دَكًّا ۝ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ
صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۢ
بِجَهَنَّمَ ۝ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ

الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ ۝

" ہرگز نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی عزت نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔ میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور تم لوگ مال کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہو۔ ہرگز ایسا نہیں چاہیے۔ جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی اور تمہارا رب جلوہ فرما ہوگا اس حال میں کہ فرشتے صفیں باندھے کھڑے ہوں گے۔ اور جہنم اس روز سامنے لائی جائے گی۔ اس دن انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس وقت کے سمجھنے کا کیا فائدہ کہے گا کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ بھیجا ہوتا۔"

سورۃ البلد میں فرمایا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعَامٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝

" مگر اس نے دشوار گذار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہیں کی اور تمہیں کیا خبر وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔"

اس موضوع پر قرآن کریم کی آیات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو گی۔ اشارۃً چند آیات پیش کر دی گئی ہیں۔

احادیثِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتسلیم جناب نبی کریمؐ علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے اُمّت کو جس انداز سے احسان اور محبت کی تلقین فرمائی ہے، وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔

آپؐ کا فرمان ذی شان ہے:

لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسِ

" اللہ ربّ العزّت ان لوگوں پر رحم نہیں فرماتے جن کے دلوں میں دوسروں کے لیے رحم نہیں۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ
اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ
يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ۔

"رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے زمین والوں پر تم رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔"

ایک مرتبہ پھر فرمایا:

لَا يُحَقِّرَنَّ اَحَدُكُمْ شَيْئًا
مِّنَ الْمَعْرُوْفِ فَاِنْ لَّمْ
يَجِدْ فَلْيَلْقَ اَخَاهُ بِوَجْهٍ
طَلِقٍ وَاِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا
اَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَاَكْثِرْ
مَرَقَتَهٗ وَاغْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ

"تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت کو بھی کو بھی حقیر نہ جانے۔ اگر اپنے بھائی کو دینے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکتا ہو تو اتنا ہی کرلے کہ مسکراتے چہرے کے ساتھ اس سے ملاقات کرلے اور جب گوشت خریدو ہانڈی پکاؤ تو شوربا بڑھا دیا کرو پھر چمچہ بھر اس میں سے اپنے پڑوسی کو بھی دے دیا کرو۔"

بخاری شریف میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا جو بندہ بیواؤں اور مسکینوں کے لیے دوڑ دھوپ کرتا ہے وہ اجر و ثواب میں اُس شخص کی مانند ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو۔

اور ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا "اور اس شب بیدار کی طرح ہے، جو رات بھر نماز پڑھتا ہے اور تھکتا نہ ہو اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو اور کبھی افطار نہ کرتا ہو۔"

یہ سب احکامات، فرامین موجود ہیں، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہم نے اس خزانے کو کھول کر دیکھنے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کی۔ صحابہ کرام رضؓ کو اللہ رب العزت نے یہ سعادت بخشی تھی کہ جب زبان رسالتؐ سے وہ کوئی فرمان سنتے تو فوراً عمل کی راہ پر چل نکلتے ـــ

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا
مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝

"تم خیر کامل کو کبھی نہ پا سکو گے جب تک اپنی محبوب چیز کو راہِ خدا میں صرف نہیں کرو گے۔"

تو اسے سنتے ہی صحابہ رضؓ نے اپنے اپنے سرمایے پر نظر ڈالی اور اس میں سے اپنی محبوب ترین چیز دربار

نبوت میں پیش کر دی۔

انصارِ مدینہ میں سب سے مالدار شخص حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ تھے مسجد نبویؐ کے سامنے ان کا خوبصورت باغ تھا۔ جس میں کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے۔ اس باغ کے کنویں کا پانی نوش فرماتے۔ آپؐ کو اس کنویں کا پانی بہت پسند تھا۔ حضرت ابوطلحہ رضؓ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اپنے باغ کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ابوطلحہ رضؓ نے حضورِ اکرمؐ کے مشورے سے اس باغ کو راہِ خدا میں تقسیم فرما دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا
حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗ
اَجْرٌ کَرِیْمٌ۔

"کون ہے جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض
تاکہ اللہ تعالٰے اسے کئی گنا بڑھا کر
واپس دے اور اس کے لیے بہترین
اجر ہے"

تو حضرت ابوالدحداح رضؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں تھے عرض کرنے لگے! یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتے ہیں۔ آپؐ نے جواب دیا ــــ ہاں! انہوں نے عرض کیا، ذرا اپنا ہاتھ مجھے دکھائیے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے آپؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "میں نے اپنا باغ اپنے رب کو قرض دے دیا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کا کہنا ہے کہ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے اور اس میں ان کا گھر بھی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے ہوئے سیدھے گھر گئے اور گھر کے دروازے سے پکار کر فرمایا "دحداح کی ماں نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔" وہ بولیں "تم نے نفع کا سودا کیا ہے دحداح کے باپ" اور اپنے بچے کو لے کر باغ سے نکل گئیں۔

●●

* * *

سجدے کا لطف تو تب ہے کہ تیری پیشانی زمین کو بھی بھاری لگے۔ تیرا بوجھ اٹھانے کی سکت نہ رکھتی ہو۔ تیرے سجدوں سے کائنات تھرا اُٹھے۔

(حضرت مولانا محمد اکرم)

صحبتِ اولیاء

صحبتِ صالح اور صحبتِ طالع

(ظفر قریشی)

بعض شخصیتوں میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ کہ دل چاہتا ہے کہ وہ بولتی رہیں اور ہم سنتے رہیں۔ اس کے برخلاف ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس بیٹھنا بھی ناگوار گزرتا ہے۔ اُن کے پاس بیٹھنے سے ایک طرح کی بیزاری ہوتی ہے اور اُن سے جلد گلو خلاصی کو دل چاہتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کی وجوہات تو بہت ہو سکتی ہیں اور ہوں گی مگر ایک وجہ جو سمجھ میں آتی ہے، وہ تو وہی ہے ؎

کند ہم جنس، با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر، باز با باز!

جس طرح کا ذہن رکھنے والا شخص ہوگا، اُس کو اُسی طرح کی صحبت میں لُطف آئے گا۔ اب ایک "تاش کھیلنے والا شخص"، اس میدان کے لوگوں میں اُٹھے بیٹھے گا تو اُسے اُن کی ہر بات، ہر ادا پسند آئے گی۔ وہ چاہے گا کہ ایک دوسرے کی سُنتے رہو تاکہ 'علم' میں اضافہ ہو۔ اپنا 'فن' کسی کو ملے، اور دوسروں کے 'تجربات' سے خود استفادہ کرے۔ اسی طرح 'فلم بین'، فلم بینوں کی مجلس میں اپنے آپ کو بہت پُرسکون محسوس کرے گا۔ نت نئی جہات، اس کے 'ذخیرہ علم' میں اضافہ کریں گی، دوسروں کو وہ مستفید کرے گا۔

اس کے برخلاف، جس نے کبھی "تاش کے پتّے" کو ہاتھ نہیں لگایا، اُسے "تاشیوں" کی صحبت مل جائے تو سوائے بے زاری کے اور کیا ہوگا۔ اور جس نے کبھی فلم نہیں دیکھی، وہ جب سُنے گا کہ ان دنوں کون کون سی فلمیں چل رہی ہیں تو اُسے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔

یہ سب کچھ، کچھ عرصے کے لیے تو چل سکے گا۔ مگر پھر اگر بہ امر مجبوری ہی سہی، یہ صحبتیں

روزانہ ہی ہونے لگیں اور شروع میں چاہے دل میں رغبت پیدا نہ بھی ہو، ایک وقت آئے کہ ایسے لوگ خود کو کمتر اور حقیر جانتے ہوئے، اس کوشش میں لگ جائیں گے کہ وہ بھی ان میدانوں میں نام پیدا کریں تاکہ احساسِ کمتری جو اب تک نہ جاننے کی وجہ سے تھا، وہ ختم ہو جائے۔ اب "تاش کھیلنے، فلمیں دیکھنے اور ہر طرح کی جزئیات کی تفصیلات جاننے کی طرف توجہ ہوگی" تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ تم تو نرے بدھو ہو۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیفیات پیدا ہو گئیں اور کس طرح ایک 'اناڑی' کو پہلے شوق پیدا ہوا اور اب اُس نے مہارت بھی حاحاصل کر لی ہے — اس کے بارے میں شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے :- ؎

صحبتِ صالح تُرا صالح کند
صحبتِ طالع تُرا طالع کند

یعنی نیک اور صالح صحبت تجھے صالح بناتی ہے اور بُری اور طالع صحبت تجھے بُرا یا طالع بناتی ہے تو یہ اُس بُری صحبت کا نتیجہ ہے جس نے ایک اچھے خاصے، شریف آدمی کو کس ڈگر پر چلا دیا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیک اور صالح صحبت اور اس کے برعکس بُری اور طالع صحبت انسانوں پر اثر انداز کیسے ہوتی ہے ؟۔

ہمارا پیارا مذہب، ایک فطری مذہب ہے۔ اس نے ہمیں جو کچھ دیا ہے اور سکھایا ہے۔ وہ کوئی انہونی نئے نہیں — ہر کام فطرت کے عین مطابق سرانجام پاتا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ سائنس سب کچھ ثابت کیے جا رہی ہے — معراج شریف کا واقعہ بعض بے یقینیوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا — اب لوگ چاند پر پہنچ گئے ہیں۔ خاص طرح کے لباس کی ضرورت بھی انہوں نے خود ہی ثابت کر دی ہے۔ اسی طرح صحبت کو بھی سائنس نے ثابت کیا ہے کہ آخر کس کے پاس بیٹھنے سے ہوتا کیا ہے۔

پچھلے دنوں T.V پر ایک سائنسی فلم دکھائی جا رہی تھی اُس میں جو موضوع تھا، وہ تھا فوٹوگرافی اور وہ بھی بہت بڑی انلارجمنٹ — MAGNIFICATLON کی بات — اُس میں ایک شخص چائے پیتا دکھایا گیا تھا۔ اب گرم گرم چائے پینے سے اُس کے پورے جسم سے، ہر پور سے، ہر مسام سے، ہر خوردبینی حصے سے بخارات نکل رہے تھے — ایسے بخارات جو گرمیوں میں کپڑے دھوپ میں ڈالنے سے نکلتے ہیں، یا اگر پیٹرول کسی پیالی میں ڈال کر رکھیں تو اُس سے

نکلتے ہیں — تو ایسے بخارات کا جسم سے نکلنا ثابت کر رہا تھا کہ ہر انسان سے یہ بخارات نکلتے رہتے ہیں (گو ہمیں نظر نہیں آتے) اور ماحول کو متاثر کرتے ہیں — نیک لوگوں کے بخارات کو ہم انوارات کہیں گے اور دوسری قسم کے لوگوں کے بخارات کو نحوست — اب ان دونوں طرح کے بخارات کو اپنا اثر دکھانا ہوتا ہے — جب ہم صالح لوگوں کی مجلس میں وقت گزاریں گے تو انسان صالح بنے گا اور بصورت دیگر طالع —

اِس صورتِ حال کا عملی مظاہرہ میں نے یوں دیکھا کہ ایک مرتبہ میرے دفتر میں ایک صاحب بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد اپنے ایک صاحبِ مجاز ساتھی تشریف لے آئے — انہیں دیکھ کر وہ صاحب اجازت لے کر چلے گئے — صاحبِ مجاز ساتھی فرمانے لگے کہ اُس کی نحوست سے اُن کا سر پھٹنے کو تھا — تو یہ وہ بخارات نحوست تھے جو اُن صاحب سے برآمد ہو رہے تھے اور کمرے کی فضا کو متاثر کر رہے تھے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں ہمیشہ صحبتِ صالح نصیب فرمائے — آمین!

◆◆

بہتان کا بدلہ

سیّدنا امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے آکر کہا کہ آج فلاں شخص نے آپ پر یہ بہتان لگایا ہے، یہ بات کی، اور وہ بات بھی کہی — آپ نے تھال بھر کر مٹھائی کا یا کھجور کا اپنے خادم کو دیا اور کہا کہ اُس شخص کو میری طرف سے تحفہ دے آؤ کیونکہ اُس نے اپنی ساری نیکیاں مجھے دے دیں، اور میرے سارے گناہ اپنے ذمّے لے لیے۔ اس سے بڑا احسان کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے۔

⁂

”محبت اُن سے رکھو جو نیکی کر کے فراموش کر دیں — اور کوئی قصور دیکھیں تو اُسے معاف کر دیں۔“ (جنید بغدادیؒ)

آپ نے پوچھا!

آپ کے دل میں کوئی سوال، کوئی شبہ یا کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کے لیے جواب دوسرے ساتھیوں کے لیے بھی مفید ہو۔ ایسے سوال ماہنامہ "المرشد" کو لکھ کر بھیجیے۔ جواب "المرشد" میں دیا جائے گا۔

سوال (۱) رونا وگریہ زاری زیادہ رہتی ہے۔ خصوصاً سلطان اذکار کے وقت یہ پہلے نہیں تھی۔ اب ۸-۹ ماہ سے شروع ہے۔ اس کے متعلق فرمادیں کہ کیا کرنا چاہیئے؟

(۲) ابھی تک میں یہ سمجھتا رہا کہ ہمارا ذکر جو ہم کرتے ہیں یہ پاسِ انفاس کا ذکر ہے اور یہی ذکر قلبی ہے۔ جناب حافظ صاحب نے بھی مرشد آباد اور کئی مقام میں اسی کو پاسِ انفاس اور ذکر قلبی فرمایا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ پاسِ انفاس علیحدہ اور ذکر قلبی علیحدہ ہے۔ وضاحت فرمائیے۔

الجواب

(۱) رونا اور گریہ کا ہونا یا مغلوب الحال ہونا ایک مقام پر کھڑا رہنے کا نتیجہ ہے۔ اگر سالک مسلسل آگے بڑھتا رہے تو عموماً یہ حالت نہیں ہوتی۔ آپ کی ملاقات عرصہ بعد ہوتی ہے اور اس میں بھی غالباً توجہ حاصل نہیں فرماتے۔ اب کے ملاقات پہ یاد کرا دیں۔ انشاء اللہ آگے توجہ دے دی جائے گی۔

(۲) حضرت یہ اپنے اپنے سلسلہ کا طریقۂ ذکر ہے۔ و نیز ہر سلسلہ میں پہلے سانس کے ساتھ ذکر پھر سانس کی طرف سے توجہ ہٹا کر صرف قلب کی دھڑکن پہ مراقبہ کرکے کوشش کی جاتی ہے کہ لطیفہ روشن ہو۔ بعض سلاسل میں پاسِ انفاس سے قبل ذکر جہر پھر لسانی

پھر پاسِ انفاس اور ازاں بعد توجہ الی القلب اس طرح ایک لطیفہ کے لیے سالوں کا عرصہ درکار ہے جن حضرات نے بہت جلدی کیا انہیں بھی دو سال عموماً ایک لطیفہ کے حصول میں صرف کرنا پڑے یہ کمال نسبتِ اویسی کا ہے کہ ایک نگاہ میں سارے لطائف روشن اور مراقبہ بر قلب کی جگہ پہلا مراقبہ ربط بالاحدیت اور مقام احدیت کا ہے۔

کیا آپ کو یہ بات عجیب محسوس نہیں ہوئی کہ تمام سلاسل میں لاکھوں میں سے چند افراد کو لطائف کرائے جاتے رہے ورنہ سب کو ذکرِ لسانی اور تسبیحات ہی بتائی جاتی رہیں اور تبع "تابعین کے بعد یہ فیوضات شیخ المکرم رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہوئے کہ ہر آنے والا لطائف پر توجہ حاصل کر گیا۔ حالانکہ سنت یہی طریقہ تھا — مگر یہ خیر القرون کے بعد یہ سعادت حضرتؒ اور سلسلۂ عالیہ کے حصہ میں آئی۔ اب یہ اللہ کی مرضی کہ کس کو کیا عظمتیں بخشتا ہے اور اس سے کیا کام لیتا ہے — سو حافظ صاحب نے درست فرمایا۔ اور آپ نے درست سمجھا تھا۔

سوال : حکومتِ پاکستان نے بیمہ سکیم شروع کی ہوئی ہے۔ کیا اپنے آپ کو اس سکیم کے تحت بیمہ کروانا جائز ہے یا نہیں جبکہ اس سلسلے میں مختلف علمائے کرام اپنے فتوؤں کے ذریعے اسے جائز قرار دے چکے ہیں۔ امید ہے آپ صحیح راہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب

حامداً و مصلیاً۔

مروجہ بیمہ پالیسی سراسر سود، قمار، (جوا) اور معاہدہ کے بعض شرائطِ فائدہ پر مبنی ہے۔ اس لیے بصورتِ موجودہ یہ ناجائز اور حرام ہے۔ اس میں شریک ہونا جائز نہیں۔ اگر کسی صاحب نے شرکت کر لی ہو تو اب تک جتنی قسطیں جمع کی ہوں صرف اتنی رقم لے لے زائد رقم لینا حلال نہیں۔ اور آئندہ کے لیے اس معاملہ کو جاری رکھنا بھی جائز نہیں — لہٰذا فوری طور پر اسے ختم کرے۔ اور اب تک اس حرام معاملہ میں معاون رہنے کا جو گناہ ہوا ہے اس پر توبہ و استغفار بھی کرے

قال اللہ تعالیٰ : وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (الآیۃ : ۲۷۵ - سورہ البقرہ)

وقال اللہ تعالیٰ : اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ

(الآیۃ نمبر ۹۰ - سورہ المائدہ)۔

بیمہ کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے مطالعہ

فرمائیں۔ رسالہ "بیمہ زندگی" تالیف مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ، بیمہ کے موضوع پر یہ ایک نہایت مستند اور مدلل رسالہ ہے اس رسالہ میں قرآن و حدیث کے نصوصِ قطعی کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ موجودہ بیمہ پالیسی ایک سودی اور قمار پر مشتمل معاملہ ہے۔ یہ رسالہ مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتا ہے۔

(ادارہ اسلامیات۔ انارکلی ۱۹۰۔ لاہور)

سوال:

آپ کے سلسلے کا ایک دوست کے ذریعے سے تعارف ہُوا اور کچھ لٹریچر بھی پڑھنے کا موقع ملا۔ ذکرِ الٰہی کا جو طریقہ اور مختلف سات لطائف کا بھی اسی دوست سے علم ہُوا۔ ولذکر اللہ اکبر۔ ناچیز اپنے اطمینانِ قلب کے لیے ایک سوال عرض کرتا ہے۔

ذکر کے اس طریقے کا یعنی "ہو" کی ضربات قلب، روح، وغیرہ مقامات پر لگانا اور پوری جو اس کی تفصیل ہے، کیا یہ رسولِ کریم صلّی اللہ صلی وسلّم کی سیرتِ طیبہ سے ثابت ہے؟ مستند تواریخ یا کتب احادیث میں اگر کوئی حوالے ملتے ہوں تو ضرور بھجوائیں کہ یہ طریقہ ذکر کا حضورؐ سے ثابت ہے۔ اُمید ہے آپ جواب سے نوازیں گے؟۔

الجواب:

اس سوال کے جواب سے کماحقہٗ آگاہ ہونے کے لیے چند تمہیدی امور جو مسلمات کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا ذکر کر دینا ضروری ہے۔

(۱) جن حضرات کو ہم اولیاء اللہ کہتے ہیں، ان میں اور دوسرے مسلمانوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ ان حضرات نے برسوں مجاہدہ اور ریاضت کر کے اپنا تزکیہ کر لیا ہوتا ہے لہٰذا اس کی شان امتیازی ہوتی ہے۔ ہاں جو عبادات منصوص اور مقرر ہیں، ان میں تو وہ عام مسلمانوں ہی کی طرح ہوتے ہیں ان کا سارا مجاہدہ ذکرِ الٰہی کی صورت میں ہوتا ہے۔

(۲) یہ مسلمات میں سے ہے کہ دنیا بھر کے اولیاء اللہ کے مدارج اکٹھے کر کے ان کا ایک معیار بنایا جائے تو جہاں اس کی بلندی ختم ہوگی وہاں سے ایک ادنیٰ صحابی کے مدارج شروع ہوں گے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابی ہونے سے جو تزکیہ ہوتا ہے وہ اولیاء اللہ کے زندگی بھر کے مجاہدوں سے نہیں ہو پاتا۔

تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابی بننے کے لیے کتنا مجاہدہ کرنا پڑا ہوگا۔ جواب یہ

ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک نگاہ میں صحابی بن گیا۔ یعنی اس ایک نگاہ میں اتنی قوت تھی کہ اعلیٰ درجے کا تزکیہ ہو گیا۔ پھر یہاں دو ضمنی سوال پیدا ہوتے ہیں اوّل یہ کہ کیا صحابہ کو ذکرِ الٰہی کی ضرورت نہیں تھی اور وہ ذکر نہیں کرتے تھے ___

جواب یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی کی دو حیثیتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ یہ بیمار دلوں کی دوا ہے اور یہ حیثیت اللہ کریم نے خود فرمائی ہے ___ ارشاد ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ اور ظاہر ہے کہ دل کی بڑی بیماری بے چینی اور بے اطمینانی ہی تو ہے دوسری حیثیت غذا کی ہے۔ اس کی نشاندہی بھی اللہ کریم نے فرما دی ہے کہ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ ۔ پس صحابہ کا تزکیہ تو نگاہِ مصطفےٰ سے ہو گیا مگر ذکرِ الٰہی ان کی غذا تھی ___ جیسے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صدیقۂ کائنات نے فرمایا:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ ۔ یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر لمحے اللہ کا ذکر کرتے تھے۔

ذکرِ الٰہی کی ضرورت تو ارشادِ ربّانی اور حضورِ اکرمؐ کے عمل سے واضح ہو گئی مگر اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں (۱۶۰) مقامات پر ذکرِ الٰہی کا کسی نہ کسی رنگ میں بیان ہوا ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے ___

رہی یہ بات کہ ذکرِ الٰہی کا کوئی خاص طریقہ بھی قرآن و سنّت سے ثابت ہے کیا؟ تو اس سلسلے میں ایک اصول پیشِ نظر رہے ___ وہ یہ کہ شریعت نے کچھ عبادتیں ایسی فرض کی ہیں جن کے اوقات، مقدار اور ہیئت سب مقرر کر دی ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ___ اور کچھ عبادتیں ایسی ہیں جن کا حکم دے کر فرض قرار دے دیا مگر وقت، مقدار اور صورت متعین نہیں فرمائی۔ مثلاً دین کا ضروری علم حاصل کرنا، دین کی تبلیغ کرنا، جہاد کرنا، ذکرِ الٰہی کرنا وغیرہ ___ اس لیے ان عبادات میں کسی خاص صورت کو لازمی قرار دینا دراصل دین میں اضافہ کہلائے گا۔

اب ذرا چند امور کا جائزہ لیں:

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دین کا علم حاصل کرنا ضروری تھا چنانچہ حضورِ اکرمؐ خود معلّم تھے۔ مسجدِ نبویؐ کا صحن مدرسہ بھی تھا ___

یونیورسٹی بھی تھی۔ دارالعلوم بھی تھا اور نصابِ تعلیم صرف قرآن مجید تھا۔ اب آپ دیکھتے ہیں کہ ہر شہر میں دارالعلوم کھلے ہیں اور نصابِ تعلیم میں صرف و نحو، بیان، معانی، منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ تمام علوم پڑھائے جاتے ہیں —— جہاں تک نصاب کا تعلق ہے، کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے —— ابواب الصرف’ ہدایۃ النحو، مختصر معانی، حماسہ، سلم العلوم، مرقاۃ، قدوری، ہدایہ، فتح القدیر’ کافیہ، الفیہ، بخاری، ترمذی، بیضاوی، جلالین وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص ان دارالعلوم والوں سے مطالبہ کرے کہ کیا مختصر معانی، ہدایہ وغیرہ کی تعلیم دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے ثابت ہے۔ مستند کتب تواریخ یا حدیث کا حوالہ دیجئے تو آپ فرمائیں کہ اسے کیا جواب ملے گا۔

اسی طرح حضورِ اکرمؐ کے زمانے میں تبلیغِ دین فرض تھی اب بھی فرض ہے —— اس وقت حضورِ اکرمؐ خود مبلغ تھے۔ صحابہ کرامؓ مبلغ تھے۔ اور تبلیغ کا طریقہ زبانی تقریر اور قرآن کا مفہوم بتانا تھا۔ اب بھی تبلیغ ہو رہی ہے۔ مگر کیسے —— جلسے تقریریں جرائد، پمفلٹ، کتابیں، ریڈیو، ٹی وی اور تبلیغی جماعت کے دورے —— اب اگر کوئی پوچھے کہ کیا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بستر لے کر گھر سے نکلتے، جماعت بناتے، دوسرے شہر میں جاتے، رات مسجد میں رہتے۔ عصر کے بعد گشت کرتے، مسلمانوں کے دروازے کھٹکھٹاتے، مغرب کے بعد بیان کرتے اور بیان کے بعد کاغذ پنسل لے کر کھڑے ہو جاتے کہ لکھاؤ کتنا وقت دو گے۔ فرمائیں اسے کیا جواب ملے گا۔

اسی طرح حضورِ اکرمؐ اور صحابہؓ پر جہاد فرض تھا۔ آج بھی فرض ہے مگر حضورِ اکرمؐ اور صحابہؓ تیر، تلوار اور نیزہ وغیرہ سے جہاد کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص یہ مطالبہ کرے کہ کیا حضورِ اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ سے ثابت ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے جہاد کے لیے کلاشنکوف استعمال کی یا صحابہ نے بمبر اور فائیٹر اڑائے یا میزائل چلائے تو فرمائیے اسے کیا جواب ملے گا۔

ان تینوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ ایک ہوتا ہے مقصد اور ایک ہیں ذرائع —— پھر کبھی تو حصولِ مقصد کے ذرائع مقرر ہوتے ہیں۔ کہیں ذرائع کے سلسلے میں کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ نکلا مقاصد بدلتے نہیں ذرائع بدل سکتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا ذکرِ الٰہی مقصد ہے۔ اس کی صورت خاص شریعت میں متعین نہیں لہٰذا اس

ہیں اہلِ فن جس صورت کو حصولِ مقصد کے لیے مفید سمجھیں اور شریعت میں اس کی ممانعت نہ ہو وہی درست ہوتی ہے لہٰذا ذکرِ الٰہی کے لیے اہلِ ذکر نے جو صورتیں اختیار کی ہیں وہ حصولِ مقصد کے لیے مفید بھی ہیں اور شریعت میں ان کی ممانعت بھی نہیں تو ان کے متعلق کہ آیا یہ صورت حضورِ اکرم کی سیرتِ طیبہ سے ثابت ہے، سوال کرنا ہی بے محل ہے۔

یہاں آکر ایک اور سوال اُبھر سکتا ہے وہ یہ کہ قرآن موجود ہے کتابیں موجود ہیں آدمی پڑھ کے عمل کرتا رہے تزکیہ کی کیا ضرورت ہے۔ تو اس کا جواب علمی تو یہ ہے کہ اللہ کریم نے تزکیہ کی حیثیت خود متعین فرما دی کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ یعنی فلاح کا دار و مدار تزکیہ پر ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ فلاح کا مدار بہت کتابیں پڑھ لینے پر ہے ـــــ اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ تزکیہ کے بغیر علم ابلیسیت کی طرف لے جاتا ہے اور تزکیہ کے بغیر عمل بے روح ضابطے کی کارروائی ہوتی ہے ـــــ یہ تو علمی بات ـــــ عملی طور پر دیکھا جائے تو ہمیں ایک مثال ملتی ہے کہ علمائے دیوبند جب فارغ التحصیل ہوتے تھے تو اس پایہ کے لوگ تھے! کہ بعض مفسر بنے، بعض محدث بنے، بعض فقیہ، مگر وہ سب کے سب یہ سب کچھ بننے کے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں شاگرد بن کر حاضر ہوتے آخر کیوں؟ حالانکہ حاجی صاحب کوئی بڑے عالم بھی نہیں تھے ـــــ معلوم ہُوا کہ حاجی صاحب کے پاس وہ چیز تھی جو علاّموں کے پاس نہیں تھی اور وہ تھا تزکیہ کا فن یعنی یہ تمام اکابر دیوبند حاجی صاحب کو اس فن کا امام سمجھتے تھے ـــــ تو ہم عامیوں کو تو لازماً انہیں امام تسلیم کرنا چاہیے۔ اگر آپ بھی اس سے متفق ہوں تو ان کی کتاب "ضیا القلوب" لے لیں اور اس میں اس ذکر کی تفصیل پڑھ لیں۔ جس کا اصطلاحی نام ذکرِ پاسِ انفاس ہے۔

اب صرف ایک سوال کھٹکتا ہے کہ صرف ایک نگاہ سے اس درجے کا تزکیہ حاصل ہونا کیا ممکن ہے؟

اس کا جواب ایک تو تواریخ کے اوراق سے صحابہ کرامؓ کی زندگی کے حالات کی صورت میں موجود ملتا ہے۔ دوسرا علم طبعیات میں بھی اس کی نظیر موجود ہے۔

فزکس میں megnatise کرنے کے چار طریقے لکھے ہیں۔

۱) برقی رو اس SUBSTANCE سے گزار دو۔ ایک سیکنڈ میں کام ہو گیا۔

(۲) SINGLE TOUCH SYSTEM

(۳) DOUBLE TOUCH SYSTEM

(۴) INDUCTION

جو کام آخری تین طریقوں سے بڑی محنت کے بعد ہوتا ہے وہ پہلے طریقے سے ایک سیکنڈ میں ہو جاتا ہے۔

روحانی دنیا میں حضورِ اکرمؐ کی نگاہ برقی رو سے کہیں زیادہ کام کرتی تھیں بشرطیکہ سامنے MAGNETIC SUBSTANCE ہو۔ یا NON-MAGNETIC or ANTI-MAGNETIC SUBSTANCE نہ ہو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نگاہ وہی تھی مگر عمر بن خطاب فاروق اعظم بن گئے مگر ابوطالب پاس رہ کے محروم رہا اور ابوجہل سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی دشمن ہی رہا۔

آخر میں ایک اصول کی نشاندہی کر دوں جس کا ذکر حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک مقام پر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک ہوتا ہے مقلّد ایک غیر مقلّد — اصولاً غیر مقلّد سے ثبوت کا مطالبہ کرنا درست ہے اور مقلّد سے صرف اپنے امام کا قول پیش کرنے کا مطالبہ کرنا ہوتا ہے۔

اور ہم چونکہ مقلّد ہیں فقہ ظاہری میں بھی اور فقہ باطنی یا قلبی میں بھی — اس لیے ہم سے کسی مسئلہ کے متعلق اصولاً یہی مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ جس فن میں تم تقلید کر رہے ہو اس فن کا کسی امام کا قول پیش کرو۔ جیسے کوئی شخص کسی عام آدمی سے کسی دوا یا دوا کے طریقہ استعمال کے متعلق سوال کرے تو اس کا جواب یہی ہوگا اور یہی کافی سمجھا جائے گا کہ فلاں ڈاکٹر نے بتایا ہے۔ ہاں اگر کسی ڈاکٹر سے کوئی ڈاکٹر قسم کا آدمی پوچھے تو وہ اس کو اصل ماخذ کے حوالے سے جواب دے گا — تو ہم نے آپ کی خدمت میں مسلّمہ امام فن حاجی امداد اللہؒ کی کتاب "ضیاء القلوب" کی نشاندہی کر دی۔ انہوں نے اس میں تزکیہ کے فن کے تمام ائمہ متقدمین کی ریسرچ کا نچوڑ دے دیا ہے۔ آپ اس کا مطالعہ فرمائیں۔ پھر کوئی الجھن ہو تو فقیر کو مطلع فرمائیں —

ارشادِ نبویؐ

- بہترین مسلمان وہ ہے جو اپنے لیے پسند کرے، وہی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے۔
- امانت میں خیانت نہ کرے۔

گذارش :

مضمون نگار حضرات اپنی نگارشات المرشد کے لیے بھیجنے سے پہلے ان باتوں کا خیال رکھیں :-

۱- لکھائی کاغذ کے ایک طرف ہو۔ صاف ہو۔ خوشخط ہو۔ ایک لائن چھوڑ کر لکھا ہو۔ شکستہ خط میں لکھے ہوئے مضامین ناقابلِ اشاعت ہوں گے۔

۲- اگر مضمون میں قرآن کی آیات لکھنا ہو تو آیات صاف اور صحیح لکھیے۔ اور پوری آیات لکھیے۔ زیر زبر تک کا خیال رکھیے۔ قرآن میں لکھے ہوئے آیات سے مقابلہ کیجیے۔ صحیح حوالہ لکھیے۔ شکستہ خط میں آیات لکھنے کی وجہ سے آپ کا مضمون ناقابلِ اشاعت ہو گا۔

۳- اگر مضمون میں اشعار کا استعمال ہو تو پہلے تسلی کر لیجیے کہ شعر درست ہے۔ اپنے کہے ہوئے اشعار کے استعمال سے پرہیز کیجیے۔ ادارہ اشعار کی اصلاح سے معذور ہے۔

اشاعت کے لیے نگارشات اس پتے پر ارسال کیجیے :-

ذیلی دفتر : ماہنامہ "المرشد"
گارڈی ٹرسٹ بلڈنگ ع-۳
نیپیئر روڈ - لاہور